THE ALFAZL
QADIAN

اخبار الفضل
ہفتہ میں دو بار
قادیان
ایڈیٹر غلام نبی

جماعت احمدیہ کا مسلمہ آرگن جسے (۱۹۱۳ء میں) حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ نے اپنی ادارت میں جاری فرمایا

نمبر ۸۶ | مورخہ ۳ مئی ۱۹۲۷ء سنہ ۶ | یوم سہ شنبہ | مطابق ۳۰ شوال ۱۳۴۵ھ | جلد ۱۴

مدینۃ المسیح

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی صحت خدا کے فضل و کرم سے اچھی ہے۔ حضور نے مسلمانوں کو تبلیغ کی طرف متوجہ کرنے کے لئے دو زبردست مضمون رقم فرمائے ہیں۔ جو انشاء اللہ بہت جلد شائع ہونگے۔

۲۸ اپریل:- طلباء مدرسہ احمدیہ نے طلباء مولوی فاضل کلاس کو دعوت چاء دی۔ محمد یعقوب صاحب طالب علم نے طلبا کی طرف سے ایڈریس پڑھا۔ جس کے جواب میں مولوی عبدالکریم صاحب جبلی نے تقریر کی۔ اور پھر حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ نے تقریر فرمائی۔ جو اسی اخبار میں شائع کی جاتی ہے۔

۲۹ اپریل:- بعد نماز جمعہ لوکل انجمن کے کارکنوں کا مجلس عام میں انتخاب ہوا۔

خوشی کی بات ہے کہ انتظامی اصحاب نے جو نظارتوں کے کارکن نہیں ہیں گذشتہ سال کا بجٹ پورا کرنے کے لئے ایک ہزار کی رقم داخل خزانہ کرادی۔

سارے ہندوستان میں آگ بھڑکا دو

یعنی

حفاظت اور اشاعت اسلام کے لئے مسلمانوں کو بیدار کردو

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ کی طلباء کی ایک دعوت کے موقع پر تقریر

آج (۲۸ اپریل) جو ایڈریس پڑھا گیا ہے۔ مجھے اس پر اس بات کی خوشی ہوئی کہ مجھے شکایت تھی۔ عام طور پر ہمارے

مدرسہ احمدیہ کے طلباء

کی اُردو ایسی صاف اور رشتہ نہیں ہوتی۔ جیسی کہ ہونی چاہیئے لیکن آج کا جو ایڈریس پڑھا گیا۔ اس کی زبان ایسی تھی۔ کہ امید کی جاسکتی ہے۔ آئندہ ترقی کر کے لکھنے والا ایسا کارآمد وجود ہوسکے جو زبان اور قلم سے مفید خدمت کرسکے۔ لیکن اس ایڈریس میں ایک نقص بھی تھا جس کی اصلاح کی بہت ضرورت ہے۔ اور وہ یہ کہ اس میں بہت کچھ تکلف سے کام لیا گیا ہے۔ یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہئیے کہ دُنیا میں تکلف سے کبھی دل فتح نہیں ہوا کرتے۔ خدا تعالیٰ نے ہر چیز کو فتح کرنے کے لئے الگ الگ طریق قرار دئے ہیں۔ اور

تکلف کانوں کے فتح کرنے کے لئے ہے

کان اس سے عمدگی کے ساتھ فتح ہوسکتے ہیں۔ مگر سادگی سے دل فتح کئے جاتے ہیں۔ ایک عمدہ شعر جس کے الفاظ کی بندش چست ہو۔ جس کے

مطالب گدگدی پیدا کرنیوالے ہوں۔ وہ کانوں پر ایسا اثر کریگا کہ سننے والے ٹنکرمست ہو جائینگے۔ اور ان کے سر جھومنے لگیں گے۔ ان کے چہروں سے بشاشت اور خوشی کے آثار ظاہر ہونگے۔ لیکن جونہی وہ اس مجلس شاعرہ کو چھوڑینگے۔ ان کے دل ایسے ہی کورے اور خالی ہونگے۔ جیسے اس مجلس میں آنے کے وقت تھے لیکن

سادہ کلام

جس میں درد مند دل اپنے درد مندانہ خیالات کا اظہار کر رہا ہو۔ قلوب پر ایسا اثر کر جائیگا۔ کہ گو سننے والے بظاہر اس کی طرف سے بے توجہی نظر آئیں۔ اور ممکن ہے۔ اس پر اعتراض بھی کریں۔ مگر ان کے قلوب پر ایسا گہرا اثر پڑیگا۔ کہ جب وہ اس مجلس سے اٹھیں گے۔ جس میں ان کے کان دلچسپ اور دلکش باتیں سننے کے مشتاق تھے۔ مگر ان کا یہ اشتیاق پورا نہ ہوا۔ تو ان کا دل آہستہ آہستہ محسوس کرنے لگیگا کہ اس مجلس میں شامل ہونا بے فائدہ نہ تھا:

اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور رحم سے یہ طاقت دے۔ کہ سادہ کلمات سے دلوں کو اور لطیف و دلکش کلام سے کانوں کو فتح کیا جاسکے۔ تو یہ بڑی خوشی کی بات ہے۔ لیکن اگر ایک شخص کو ایک ہی چیز میسر آسکتی ہے۔ تو سادگی کو اختیار کرنا چاہیئے کیونکہ ہمارا کام

دلوں کو فتح کرنا

ہے۔ نہ کہ کانوں کے لئے دلکشی کے سامان مہیا کرنا:

اسوقت ایڈریس کے جواب کی ذمہ داری بھی ایک ایسے لڑکے کے سپرد کی گئی ہے۔ جس کے سپرد چار پانچ سال سے ایڈریس لکھنے اور پڑھنے کا کام رہا ہے۔ اور میں کہہ سکتا ہوں۔ اس وقت جو جواب دیا گیا ہے۔ وہ سادہ لوٹ پر ہے

دلی جذبات کا اظہار

ہے۔ اور میں اس جواب کو پہلے ایڈریسوں پر ہزاروں درجے زیادہ وقعت دیتا ہوں:

جب تک ہمارے دل میں یہ بات راسخ نہ ہو جائیگی۔ کہ ہمارا کام دلوں کو فتح کرنا ہے۔ اس وقت تک ہماری تقریریں اور تحریریں

اس تیر انداز کی طرح

ہونگی جس کے تیر چاروں گوشوں میں تو پڑتے تھے لیکن اگر نہیں پڑتے تھے۔ تو اس جگہ جہاں وہ مارنا چاہتا تھا۔ اس کے تیر مشرق و مغرب۔ شمال و جنوب ہر طرف پڑتے تھے۔ مگر نشانہ خالی تھا۔ بہت لوگ ہیں۔ جو دوسروں کی تحریروں اور تقریروں کی نقل کرنا چاہتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں۔ اگر ہم اس طرح کے لکھنے اور بولنے والے ہو جائیں تو دنیا کو فتح کرلیں۔ حالانکہ تصنیف اور تقریر نے دنیا کو کبھی فتح نہیں کیا۔ اس کے لئے

سوز۔ گداز اور درد کی ضرورت

ہوتی ہے۔ اس سوز کی جو بناوٹوں سے عاری ہو۔ اس گداز کی جو تکلف سے بیگانہ ہو۔ اور اس درد کی جو تصنع سے پاک ہو۔ ایک ماتم کرتا ہوا دل ایک چلاتا ہوا دل۔ ایک سوز سے گداز ہوا ہوا دل جب کوئی بات پیش کرتا ہے۔ تو پتھر دل رکھنے والے انسانوں میں بھی رقت پیدا کر دیتا ہے۔

خدا کے نبیوں کے کلام

اسی وجہ سے تکلف سے عاری ہوتے ہیں۔ قرآن کریم کی عبارت کو پڑھو۔ کس طرح دل پر اثر کرتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں حریری اور دوسرے مصنفوں کی عبارتیں پڑھو۔ بظاہر ان کی بندشیں کیسی چست اور دلکش ہوتی ہیں۔ اگر اسی کا نام بلاغت اور فصاحت ہے تو قرآن کریم ان کے مقابلہ میں (نعوذ باللہ) گرا ہوا معلوم ہوگی۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ قرآن کریم کی بلاغت اور ہے۔ جنہوں نے ظاہری طور پر قرآن کا مقابلہ ان عبارتوں سے کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے۔ کہ قرآن کی بلاغت ان کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ مگر بلاغت تکلف اور تصنع کا نام نہیں۔ قرآن کریم کی بلاغت اور فصاحت کے متعلق تو کہنا ہی کیا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ نبیوں کے کلام میں بھی بلاغت اور فصاحت اس ہمدردی اور خیر خواہی میں مخفی ہوتی ہے جس کی خاطر دنیا کے لئے وہ کلام کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم کے سادہ الفاظ ہیں۔ اور وہی الفاظ ہیں۔ جو روز مرہ کی بول چال میں بولے جاتے ہیں۔ مگر جب وہی الفاظ قرآن کریم کی بندش میں آتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا۔ کہ ابھی آسمان سے اترے ہیں۔ الفاظ تو پرانے ہی ہوتے ہیں۔ مگر ان کی بندش جدید ہوتی ہے۔ جو

قلوب پر خاص اثر

کرنیوالی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس بندش کے اندر خالق ارض و سما کی یہ خواہش پنہاں ہوتی ہے۔ کہ جس غرض کے لئے بندوں کو پیدا کیا گیا ہے۔ وہ پوری ہو۔ اور اسے حاصل کرلیں۔ اس کی محبت اسکی شفقت۔ اس کی ذرہ نوازی ہمارے لئے ہر لفظ کو نیا اور ہر بندش کو جدید بنا دیتی ہے:

پس ہمارے لئے ضروری ہے کہ درد اور سوز پیدا کریں اور ایسے [illegible] میں دنیا کے سامنے آئیں کہ دنیا محسوس کرے۔ ہمارے قلوب میں اس کے لئے درد اور سوز ہے۔ ہمارے درد اور سوز کو دلوں میں نہیں چھپا رہنا چاہیئے بلکہ جس طرح دیوانہ اپنے کپڑے پھاڑ کر ننگا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ہمارے کلام میں سے

درد اور سوز ننگا ہو کر ظاہر ہونا چاہیئے

اسپر کہنے والے کہیں گے۔ کہ یہ ننگی عبارتیں ہیں۔ ان میں فصاحت اور بلاغت نہیں مگر یاد رکھو۔ کام انہیں سے ہوگا۔ ہاں عبارت صاف اور زبان کے محاورہ کے مطابق ہو۔ کیونکہ جب ہم زبانوں کے محاورہ کی پابندی نہ کریں ہمارے مطالب لوگوں کے لئے غلط مفہوم پیدا کر دینگے۔ اور ان کے لئے ہمارے مفہوم کو صحیح طور پر سمجھنا مشکل ہو جائے گا:

آج کے اس جلسہ کی غرض یہ ہے کہ احمدیہ سکول کے طلباء ان بھائیوں کو جو سکول سے نکلکر امتحان کے لئے جانیوالے ہیں۔ اور اگر پاس ہو گئے۔ تو انکی تعلیم مدرسہ سے ختم ہو جائیگی۔ الوداع کہیں۔ مگر تعلیم سے فارغ ہونیوالوں کو سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ وہ ایک مدرسہ سے نکلکر دوسرے میں جا رہے ہیں۔ اب تک مدرسہ میں وہ اسطرح تھے۔ جس طرح

رحم مادر میں بچہ

ہوتا ہے۔ جب تک بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے یا ماں کی گود میں ہوتا ہے۔ اسے اپنی ذاتی فکر نہیں ہوتی۔ ساری فکر ماں کو ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک طالب علم کی زندگی علمی لحاظ سے ایسی ہوتی ہے۔ جیسے رحم مادر میں یا ماں کی گود میں بچہ۔ یا مدرسہ سے نکلکر اس کی زندگی شروع ہوتی ہے۔ اور اس کا اپنا ارادہ کام کرتا ہے۔ یہی زندگی اسکی زندگی کہلانے کی مستحق ہوتی ہے۔ مدرسہ میں اسکی زندگی نہیں بلکہ اُستادوں کی زندگی ہوتی ہے۔ جب لڑکوں کی اپنی زندگی شروع ہوتی ہے اسی وقت معلوم ہو سکتا ہے۔ اسلام کے لئے کتنا درد کتنی جلن کتنا سوز ان کے دل میں پیدا ہوا ہے۔ اگر یہاں سے جانے کے بعد دین کی محبت ان کے دلوں میں پائی گئی۔ دین کے لئے وہ ہر چیز قربان کرنے کے لئے تیار ہوئے۔ ان کے دلوں میں وہی سوز اور گداز پایا گیا۔ جو یہاں تھا۔ تو ہم کہیں گے کہ قادیان کی رہایش سے انہوں نے فائدہ اٹھایا۔ لیکن اگر انہوں نے بھی اسی طرح کیا جس طرح بعض ایسے لڑکوں نے کیا جنہوں نے دس دس بارہ بارہ سال یہاں پڑھا لیکن یہاں سے جانے کے بعد اپنی ملازمتوں اور دنیا کے دھندوں میں پھنس گئے۔ اور قادیان کی طرف کبھی انہوں نے منہ بھی نہ کیا بعض تو اتنے گر گئے۔ کہ اگر پیغامیوں کی ملازمت مل گئی تو پیغامیوں میں مل گئے اور اگر غیر احمدیوں کی ملازمت مل گئی۔ تو ان میں شامل ہو گئے۔ اگر ایسا ہی انہوں نے بھی کیا۔ تو ان کی محنت بھی ضائع گئی۔ اور ان کے اُستادوں کی بھی ضائع گئی:

موجودہ زمانہ

اسلام کے لئے ایسا ہی نازک ہے جیسا یورپ کی سلطنتوں کے لئے جنگ یورپ کا زمانہ تھا۔ اسوقت ان سلطنتوں نے لڑکوں کو سکولوں اور کالجوں سے نکال لیا اور کہدیا تھا کہ یہ پڑھنے کے دن نہیں بلکہ جنگ کرنے کے دن ہیں۔ اسی طرح آج اسلام کے لئے کام کرنے کے دن ہیں۔ اسی لئے میں نے فیصلہ کیا ہے۔ کہ مبلغین کلاس کے طلباء کو باہر کام پر بھیجدیا جائے یا جو اور دین کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کریں۔ اور مبلغین کے طور پر پڑھنا چاہیں۔ یا معاہدہ کے مطابق انہیں اس کام پر لگایا جائے۔ ان کو بھی تبلیغ پر لگا دیا جائے۔ اور کچھ کورس مقرر کر دیا جائے۔ جسے وہ فرصت کے وقت پڑھا کریں۔ اور چھ مہینے کے بعد آکر امتحان دے جائیں۔ ایسے وقت میں

ہر ایک احمدی کے دل میں درد ہونا چاہیئے

کہ وہ دین کا کام کرے۔ بہت لوگ علم کے نہ ہونے کی وجہ سے اپنی کمزوری کو یہ کہکر چھپانا چاہتے ہیں کہ ہمیں علم ہو۔ تو ہم تبلیغ کریں مگر علم نہیں اس لئے کچھ نہیں کر سکتے۔ میں کہتا ہوں ہم نے دنیا سے یہ منوانا ہے۔ کہ خدا ایک ہے۔ اور اسلام اس کا سچا مذہب ہے۔ اس کے لئے کسی مدرسہ اور کسی کالج میں داخل ہونے کی ضرورت نہیں:

(بقیہ دیکھو صفحہ ۱۲ پر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الفضل

یوم دوشنبہ - قادیان دارالامان - ۳۰ مئی ۱۹۲۷ء

مخلوط انتخاب کی شرائط کے خلاف ہندو مہاسبھا کا فیصلہ

مسلمانوں کو اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے کیا کرنا چاہئیے

(نمبر ۱)

ہندو مہاسبھا نے اپنے حال کے اجلاس میں مسلمان لیڈروں کی ان شرائط کا جو مخلوط انتخاب کے متعلق انہوں نے ہندوؤں کے سامنے پیش کی تھیں - ایسا جواب دیا ہے - جس نے مولانا محمد علی کے سے انسان کی بھی آنکھیں کھول دی ہیں - جن کا سب سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب قول یہ تھا - کہ "مسلمان اپنے حقوق ملی کے تحفظ کے متعلق نہ گھبرائیں - ہندوؤں کے ساتھ ملکر پہلے سوراج حاصل کرلیں - جب سوراج مل جائیگا تو مہاتما گاندھی کے متبع ہندو خود ان کا واجبی حصہ ان کو دیدیں گے" بلکہ اس کی تبلیغ میں بھی انہوں نے اپنی عمر کا بہترین اور اپنی قابلیت کا بہت بڑا حصہ صرف کردیا - اب انہوں نے ہندو مہاسبھا کے تلخ جواب سے متاثر ہوکر اپنے اخبار کی مسلسل تین اشاعتوں میں بڑی شرح و بسط کے ساتھ اس بات کا ثبوت بہم پہنچایا ہے - کہ ہندو مہاسبھا نے "ہندو قوم پروروں کی قوم پروری کا بھانڈا پھوڑ دیا" ہے - کیونکہ مہاسبھا نے نہ صرف مخلوط انتخاب کی شرائط سے اپنا عدم اتفاق ظاہر کیا ہے - بلکہ سب سے بڑی اور اہم اس شرط کے خلاف مذمت کا ووٹ پاس کیا ہے - جو علاقہ سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کرکے مستقل صوبہ بنانے اور صوبہ سرحدی و صوبہ بلوچستان کو ہندوستان کے دیگر صوبوں کی طرح اصلاحات دینے کے متعلق تھی *

مولانا نے اپنے مضامین میں سب سے پہلے یہ بات مسلمانوں کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کی ہے - کہ چونکہ "مسلمان آج ہر صوبہ کی کونسل اور نیز اسمبلی اور کونسل آف سٹیٹ میں اقلیت میں ہیں - اور گو ان کی نمائندگی پنجاب اور بنگال کے صوبوں کے سوا ہر جگہ آبادی میں ان کے تناسب اعداد سے زیادہ ہے - تاہم کسی صوبہ کی کونسل میں بھی مسلم اقلیت کو اکثریت نہیں دی گئی ہے" اور مجالس قانون ساز میں قسمتوں کا فیصلہ "کثرت رائے کی بناء پر کیا جاتا ہے - اس لئے ضرورت ہے - کہ مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کی کوئی صورت نکالی جائے - اور یہ سوچا جائے - کہ جس ملک میں مسلمان اقلیت میں ہوں - اور ہندو اکثریت میں - اور دونوں ملتوں کی ذہنیت ایسی ہو - کہ ایک دوسرے کو دشمن سمجھے - اور ہندو اکثریت کے انصاف اور رواداری پر مسلمان اقلیت کو بالکل بھروسہ نہ ہو مگر فیصلہ ہر امر میں اکثریت ہی کے موافق کیا جائے - تو مسلم اقلیت کے حقوق کا تحفظ کیونکر کیا جائے"

اس مشکل کا حل بالفاظ مولوی صاحب موصوف یہ تجویز کیا گیا تھا - کہ "اگر ہندو چاہتے ہیں - کہ ہماری چھوٹی سی اقلیت چند بڑے بڑے صوبوں میں ان کی بڑی اکثریت کے رحم پر چھوڑ دی جائے تو وہ بھی اس پر راضی ہو جائیں - کہ دو بڑے بڑے صوبوں میں ان کی بڑی اقلیت بھی ہماری چھوٹی سی اکثریت کے اور تین چھوٹے چھوٹے سے صوبوں میں ان کی چھوٹی سی اقلیت ہماری بڑی اکثریت کے رحم پر چھوڑ دی جائے - اگر ان کی اکثریت ہماری اقلیت کے ساتھ انصاف اور رواداری کا برتاؤ کریگی - تو ہماری اکثریت بھی انکی اقلیت کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کریگی"

مسلمانوں کو اپنی اقلیت کی وجہ سے جو مشکلات درپیش ہیں - اور جس قدر نقصانات انہیں پہنچ رہے ہیں - ان کو دیکھ کر اور ان سے محفوظ رہنے کی تجویز کو سن کر سمجھ میں نہیں آتا - مسلمان لیڈروں نے ایسے ہندوؤں کے سامنے پیش ہی کس امید اور توقع سے کیا - "ہر صوبہ کی کونسل" میں اقلیت مسلمانوں کی ہے اسمبلی اور کونسل آف سٹیٹ" میں مسلمانوں کے نمائندے دوسروں کی نسبت بہت قلیل ہیں - اور اس وجہ سے مسلمانوں کے ہر قسم کے حقوق خطرہ میں ہیں - اور وہ نقصان اٹھا رہے ہیں - لیکن کہا ہندوؤں سے جاتا ہے - کہ تم ملک کے بعض حصوں کی ایسی صورت ہمیں بنا دو - کہ وہاں مسلمانوں کی اکثریت کے مقابلہ میں تمہاری اقلیت ہو جائے - تاکہ ہماری اکثریت تمہاری اقلیت کے ساتھ "انصاف اور رواداری کا برتاؤ" کرنے کا ثبوت بہم پہنچا سکے - بھلا کبھی ممکن ہے - کہ ہندو اپنے ہاتھوں اس قسم کا موقعہ مسلمانوں کے لئے بہم پہنچائیں - اور بعض علاقوں کے لئے نہ صرف یہ گوارا کرلیں - بلکہ خود اس کا باعث بنیں - کہ وہاں مسلمانوں کے مقابلہ میں ہندوؤں کی تعداد اتنی ہی قلیل رہ جائے - جتنی مدراس - بہار - صوبہ جات متحدہ اور بمبئی میں ہندوؤں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی ہے -

اس زمانہ میں کسی قوم سے اور خاصکر ہندو قوم سے جسے ہر سانس میں اپنے ہی منافع کا خیال رہتا ہے - یہ توقع کرنا کہ وہ کوئی ایسا کام کریگی - جو خواہ دوسروں کے لئے کتنا ہی مفید اور مبنی بر انصاف کیوں نہ ہو - مگر اس کے مسلمانوں کے چھینے ہوئے حقوق کے خلاف کسی قسم کا اثر ڈال سکتا ہے - ایسی توقع ہے - جو کم از کم کسی ایسے انسان کو تو ہرگز نہیں کرنی چاہیئے - جو ہندوستان میں پیدا ہوا ہو - ہندو کی عادات سے واقف ہو - اور ہندوؤں میں اٹھنے بیٹھنے کا اسے موقعہ ملا ہو - لیکن تعجب ہے - مسلمان لیڈروں نے ہندوؤں کے متعلق یہ توقع قائم کی - اور نہ صرف ان سے یہ خواہش کی - کہ وہ بعض علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت اس لئے دیں - کہ مسلمان ہندوؤں کی اقلیت سے رواداری کا برتاؤ کرنے کا ثبوت دے سکیں بلکہ اس لئے بھی کہ جن صوبوں میں مسلمانوں کی اقلیت ہے - وہاں اگر ہندو اپنی اکثریت کے زور سے مسلمانوں کے حقوق کو نقصان پہنچانا چاہیں - تو انہیں ان کے خود بنوائے ہوئے صوبوں میں ہندوؤں سے اسی قسم کا سلوک کرنے کا ڈراوا دیکر باز رکھا جائے یا بالفاظ مولانا محمد علی "مسلمانوں کو یہ اطمینان حاصل رہے - کہ اگر صوبہ متحدہ میں یا بمبئی و مدراس میں جہاں ان کی تعداد ہندوؤں کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہے - ہندوؤں کی جانب سے مسلمانوں پر کوئی زیادتی عمل میں آئے - تو سرحد بلوچستان اور سندھ کے صوبوں میں مسلمان بھی اس کا ترکی بہ ترکی جواب دینے پر قادر ہوں - اور ہندوؤں کی اکثریت کسی جگہ مسلمانوں کی اقلیت پر کوئی جبر و تشدد اس خوف سے نہ کر سکے کہ ان تینوں صوبوں میں ہندو بہت کم ہیں - اور مسلمانوں کو بھی ہندوؤں کے ساتھ بالکل وہی برتاؤ کرنے کا موقع حاصل ہے - جو ان کے بھائیوں کے ساتھ دوسرے صوبوں میں کیا جائے"

اب ور غور کیجئے - خطرہ تو ہو مسلمانوں کے حقوق کو ان کی اقلیت کی وجہ سے ہندوؤں کی اکثریت سے - لیکن اس خطرہ سے محفوظ رہنے کے لئے تجویز یہ کی جائے - کہ ہندو بھی بعض صوبوں میں ہندوؤں کی اقلیت قرار دینے پر رضامند ہو جائیں - تاکہ بوقت ضرورت مسلمان بھی ان صوبوں میں ترکی بہ ترکی جواب دینے پر قادر ہو سکیں - اور ہندو اس خوف سے مسلمانوں کے حقوق غصب نہ کر سکیں - یہ کہاں شرف قبولیت حاصل کرسکنے والی تجویز ہے *

کیا کبھی ممکن ہے - کہ ہندو جیتے جی اپنے لئے اپنے ہاتھوں اس قسم کے خوف کا سامان مہیا کریں - اور بڑھتے مسلمانوں کو ترکی بہ ترکی جواب دینے پر قادر ہونے کے قابل بننے دیں - ہرگز نہیں اور قطعاً نہیں - اگر ہندوؤں میں اس قدر انصاف پسندی و عدل شعاری

ہوتی۔ کہ وہ بعض صوبوں میں مسلمانوں کو وہی پوزیشن حاصل ہونے دیں۔ جو کئی صوبوں میں ان کی اپنی ہے۔ تو پھر مخلوط انتخاب کے لئے اس قسم کی کسی شرط کے پیش کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ کیونکہ ہندوؤں پر یونہی اعتماد اور بھروسہ کر لیا جائے۔ کہ وہ باوجود اپنی اکثریت کے کسی جگہ اور کسی موقعہ پر بھی مسلمانوں کے حقوق غصب نہ کرینگے۔ لیکن اگر رونا ہی اسی بات کا ہے۔ کہ مسلمانوں کے حقوق ہندوؤں کی اکثریت کی وجہ سے محفوظ نہیں۔ اور وہ جس طرح چاہتے ہیں۔ ان سے سلوک کرتے ہیں۔ تو پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہندو اپنے لئے آپ خطرہ پیدا کریں۔ اور اپنے ارادوں اور اپنی تمناؤں کے رستہ میں آپ کانٹے بوئیں۔

پس مسلمانوں کا ہندوؤں سے اس قسم کی خواہش کرنا ہی چونکہ بالکل بے سود اور فضول تھا۔ اور ہندوؤں کی موجودہ ذہنیت اور رجحان طبع کے بالکل خلاف۔ اس لئے ہندوؤں نے اپنی مہا سبھا میں اس کا جو حشر کیا۔ وہ ان مسلمان لیڈروں کے لئے موجب حیرت ہو تو ہو۔ جنہوں نے یہ شرائط پیش کی تھیں۔ ہمارے لئے اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔ کیونکہ ہندوؤں کو یہی گوارا نہیں۔ کہ مسلمان ہندوستان میں مسلمان ہوتے ہوئے رہیں۔ اور مسلمانوں کی تخریب کے لئے وہ ہر رنگ اور ہر طریق سے اپنا سارا زور صرف کر رہے ہیں۔ اور پنڈت مالوی لالہ لاجپت رائے۔ ڈاکٹر مونجے وغیرہ ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ان کی عنان ہے۔ جو مسلمانوں کی شکل تک دیکھنے کے روادار نہیں۔ تو پھر کس طرح ممکن ہے کہ وہ کسی ایسی بات کو عمل میں آنے دیں۔ جس سے مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ ہوتا ہو۔ اور جس سے مسلمانوں کے ہاتھ اس قدر مضبوط ہو جاتے ہوں۔ کہ ہندوؤں کے لئے خوف پیدا ہو سکے۔

مولانا محمد علی صاحب نے تو ہندوؤں کی طرف سے خلاف امید جواب ملنے پر لکھ دیا ہے۔ کہ "ہندو اتحاد کی قوم ہو رہی کا بھانڈا پھوٹ گیا" امید ہے۔ دوسرے مسلمان لیڈروں کی سمجھ میں بھی یہ بات آ جائے گی۔ لیکن کیا اب مسلمانوں کی حفاظت اور ان کے حقوق کے تحفظ کے لئے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ اگر ضرورت ہے۔ اور یقیناً بہت بڑی ضرورت ہے۔ تو پھر مسلمان لیڈروں کو ہندوؤں کی طرف سے مایوس کن جواب ملنے پر خاموش نہیں بیٹھ رہنا چاہئے۔ اور نہ ہندوؤں کی منظوری اور رضامندی حاصل کرنے کے لئے کوئی اور ذلیل کن طریق اختیار کرنا چاہیئے۔ بلکہ وہ صورت اختیار کرنا چاہیئے۔ جس سے مسلمانوں کا وقار اور عزت بھی قائم رہے۔ اور ان کی اقلیت بھی آج نہیں تو کل۔ کل نہیں تو کسی وقت ہی اکثریت سے بدل سکے۔

ہمیں افسوس ہے کہ مولانا محمد علی صاحب نے اپنے طویل مضامین میں اس بات کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ کہ اب جبکہ مسلمان لیڈروں کی تجویز کو ہندوؤں نے رد کر دیا ہے۔ وہ مسلمانوں کے حقوق کو محفوظ رکھنے کے لئے کیا صورت اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ اور مسلمانوں کے سامنے کونسا لائحہ عمل رکھنا چاہتے ہیں۔ جو ان کی تمام کمزوریوں کا علاج ہو اور انہیں اغیار کی دست برد سے بچا سکے۔ ہم اس کے متعلق اپنی رائے اور تجویز انشاء اللہ آئندہ پرچہ میں بیان کریں گے۔

سر عبدالرحیم اور مسلمانان بنگال

دو معلوم مسلمانان ہند کی سمجھ میں اتنی موٹی سی بات بھی کبھی آئے گی یا نہیں۔ کہ ذاتی فوائد اور ذاتی اغراض کو قومی فوائد اور قومی وقار کے قیام کے لئے قربان کر دینا اتنا ہی ضروری ہے۔ جتنا انسانی زندگی کی بقا کے لئے روح کی ضرورت ہے۔ آج کل مسلمانوں میں اس قسم کی کوئی مثال تو شاذ و نادر ہی پائی جاتی ہے۔ کہ کسی سر برآوردہ مسلمان نے اپنے ذاتی فوائد قوم کی بہتری اور بہبودی کے لئے قربان کر دیئے ہوں۔ لیکن اس قسم کے واقعات بکثرت موجود ہیں۔ کہ کئی سرکردہ مسلمانوں نے قومی اغراض کو اپنے فوائد کی ٹھوکر سے ٹھکرا دیا۔ ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے۔ گورنمنٹ بنگال نے جب سر عبدالرحیم کو وزیر نامزد کیا۔ تو اس وجہ سے کہ سر عبدالرحیم مسلمانوں کے حقوق کی سرگرم اور پرجوش محافظت کا فرض ایک حد تک ادا کرتے رہتے ہیں۔ کسی ہندو نے ان کے ساتھ وزیر بننا پسند نہ کیا۔ اور اس کے متعلق ایسا عزم اور استقلال دکھایا کہ آخر کار گورنمنٹ بنگال کو ان کی ضد سے مجبور ہو کر سر عبدالرحیم کی وزارت کا نمبران واپس لے لینا پڑا۔ اپنی اس فتح اور کامیابی کے بعد جب ایک ہندو نے وزارت کا عہدہ سنبھالا۔ تو فوراً ایک مسلمان نے وزارت کو اپنی انتہائی خوش قسمتی سمجھ کر اسے قبول کر لیا۔ اور اتنا بھی خیال نہ کیا کہ جس مقام عزت کو وہ قبول کر رہا ہے۔ اس کے متعلق ہندو مسلمانوں کی عزت کو کس قدر ذلت پہنچا چکے ہیں۔ سارے بنگال میں اس واقعہ سے شور مچ گیا۔ کالجوں اور سکولوں کے طلباء نے وزارت قبول کرنے والے مسلمان کے خلاف مظاہرے کئے۔ عورتوں تک نے شرم و غیرت دلائی مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ اور وزارت کی کرسی پر قوم کی تمناؤں اور خواہشوں کو قربان کر دیا۔

اب اس سے بھی زیادہ افسوس ناک واقعہ کی اطلاع موصول ہوئی ہے۔ اور وہ یہ کہ سر عبدالرحیم نے بنگال کے ایک چھوٹے سے افلاس زدہ گاؤں کلکٹی میں غریب مسلمانوں کے ایک بہت بڑے مجمع پر پولیس کے گولیاں چلانے اور کئی کے قریب انسانوں کو مردہ اور قریب المرگ بنانے کے واقعہ سے متاثر ہو کر بطور پروٹسٹ صوبہ کی کونسل سے استعفا دیدیا تھا۔ اب جبکہ دوبارہ اس حلقہ کا انتخاب ہونے لگا۔ تو سر عبدالرحیم کے مقابلہ میں دو اور مسلمانوں نے اپنے آپ کو بطور امیدوار پیش کر دیا۔ جن کی درخواستہائے امیدواری منظور ہو چکی ہیں۔ کیسے رنج کی بات ہے۔ کہ سر عبدالرحیم ایک ایسے واقعہ پر جس میں متعدد مسلمانوں کو ہلاک کیا گیا۔ اظہار ناراضگی کرتے ہوئے کونسل سے مستعفی ہوتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے بعض خیر خواہ ایسے بھی ہیں جو اس موقعہ کو غنیمت سمجھ کر خود ان کی جگہ حاصل کرنے کے لئے ان کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اور اس طرح اپنے گلے پر نہیں بلکہ اپنی قوم کے گلے پر اپنی ہی چھری چلاتے ہیں۔

سمجھ میں نہیں آتا بنگال کے مسلمانوں میں حقوق کی حفاظت کے متعلق اس حد تک کیوں بے حسی ہے اور کیوں وہ ذرا ذرا سی بات پر قومی غداری اور بے حمیتی کے ثبوت مہیا کرتے رہتے ہیں۔ اگر بنگال کے مسلمانوں نے سر عبدالرحیم کے مقابلہ میں کسی اور کو کامیاب ہونے دیا۔ تو یہ اس بات کا ثبوت ہوگا۔ کہ انہیں تباہ و برباد کرنے کے لئے ہندوؤں کو شدھی اور سنگھٹن کے ہتھیاروں سے حملہ آور ہونے کی ضرورت نہیں۔ (گو انہوں نے یہ حملہ بڑے زور شور کے ساتھ بنگال کے مسلمانوں پر کرنا شروع کر دیا ہے) وہ خود اپنے اندر تباہی کے پورے سامان رکھتے ہیں۔

شدھی بازوں نے حد کر دی

اگر یہ اطلاع صحیح ہے جو اخبار منادی دہلی نے گوالیار کے متعلق شائع کی ہے تو ہر شخص کو ماننا پڑیگا کہ یہی وہ زمانہ ہے جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس وقت شیطان اپنی ساری قوت اور زور کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ آور ہوگا۔ اخبار مذکور میں ایک مسلمان کا خط شائع ہوا ہے جس میں لکھا ہے "یہاں ۲۰ فروری کو ایک جلوس نکالا گیا جس میں چند خوبصورت عورتیں بے پردہ بناؤ سنگھار کئے ایک بگھی کے اندر بیٹھی ہوئی نکلیں۔ بگھی پر ناگری اور اردو حروف میں لکھا تھا۔ شدھ ہو جاؤ اور بیاہ کر لو"۔ بے غیرتی کا یہ گھناؤنا نظارہ دکھا کر جو لوگ ایسے بے ایمانی کا سامان پیدا کئے جا رہے ہوں تو کیا پھر بھی مسلمانوں کو خوش بیٹھے رہنا اور ایسے فتنوں کا شکار ہو کر عوام کو مرتد ہونے دینا چاہیئے۔

ملکانوں میں احمدیوں کو ہی کامیابی حاصل ہوئی

معزز معاصر مشرق (۲۱ اپریل) ملکانوں میں فتنہ ارتداد کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے۔ "ہم نے اسی وقت لکھا تھا۔ کہ یہ وفود جا رہے ہیں۔ لیکن ان کی کامیابی دشوار ہے۔ ان کو اس میں لڑنے کی ضرورت زیادہ ہوگی۔ اگر کام کچھ کرینگے۔ تو احمدی کرینگے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ ملکانوں میں جا کر بریلوی۔ دیوبندی۔ قادیانی لڑ ہی گئے۔ اگر کسی قدر کامیابی حاصل کی۔ تو احمدیوں نے۔ کیونکہ انہوں نے اپنا سے زیادہ کام لیا"۔

اس کے متعلق ہمیں صرف یہ کہنا ہے کہ علاقہ ارتداد میں کام کرنیوالے احمدی مبلغوں کو اگر اطمینان اور فراغت سے کام کرنے دیا جاتا۔ اور خواہ مخواہ ان کے راستہ میں روکاوٹیں نہ پیدا کی جاتیں تو وہ اسلام کی حفاظت اور اس کی شوکت کے متعلق اس سے بھی زیادہ شاندار کام کرتے۔ جس قدر انہوں نے کیا۔ اور اب بھی وہ اس کا ثبوت دینے کے لئے نہ صرف تیار ہیں۔ بلکہ انہوں نے کام بھی شروع کر دیا ہے۔

۲۵ لاکھ ریزرو فنڈ کے متعلق

مکرم خان عبداللہ خاں صاحب کی مساعی جمیلہ

اولڈ بوائز ہائی سکول کیلئے قابل تقلید نمونہ

امید ہے۔ مکرم جناب خاں محمد عبداللہ خاں صاحب آف مالیرکوٹلہ کا حسب ذیل مضمون نہایت خوشی اور مسرت کے ساتھ پڑھا جائیگا اور ان کے اخلاص اور جوش کی نہ صرف تعریف کی جائے گی۔ بلکہ دعا کی جائے گی۔ کہ خدا تعالےٰ انہیں ہمیشہ خدمات دین ادا کرنے کے لئے بڑھ چڑھ کر توفیق بخشے۔ جس دردمندی اور اخلاص سے انہوں نے اولڈ بوائز ہائی سکول قادیان کو مخاطب کیا ہے۔ اولڈ بوائز کو اسی رنگ میں جواب دینا چاہیئے۔ اور جو کام ان کے سامنے پیش ہوا ہے۔ اسے اس خوبی اور عمدگی سے سرانجام دینا چاہیئے۔ کہ یہ ان کے لئے ایک عظیم الشان کارنامہ بن جائے ⁂ (ایڈیٹر)

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ نے جس درد انگیز پیرایہ میں احمدیہ کانفرنس کے موقعہ پر مسلمانان ہند کی موجودہ حالت کا نقشہ کھینچا۔ اور جس رقت انگیز جوش اور ولولہ کے ساتھ نمائندگان جماعت احمدیہ سے قربانی کا مطالبہ کیا تھا۔ اور جس جذبہ اطاعت و فرمانبرداری سے جماعت کے نمائندگان نے لبیک کہا۔ اس نظارہ سے ہماری آنکھوں کے سامنے وہ اسوہ ابراہیمی پھر گیا۔ جبکہ انہیں اسلم کہا گیا تو بے ساختہ ان کے منہ سے اسلمت لرب العالمین نکلا۔ ان نمائندگان میں سے میں بھی ایک تھا۔ جنہوں نے اللہ تعالےٰ کی آواز کو اپنے خلیفہ کے منہ سے سنا۔ اور کھڑے ہو کر اس امر کا عہد کیا۔ کہ اللہ اور رسول اور اس کے دین کی تقویت کے لئے اپنی جان۔ مال اور عزت الغرض ہر ایک چیز اس کی راہ میں قربان کر دینگے۔ اور اسلام کو چہار اطراف دنیا میں پھیلا کر رہیں گے۔ عہد کرنے کو تو میں نے بھی کر دیا۔ لیکن عہد کرنا آسان اور نباہنا مشکل ہے۔ میں نے اپنے قلب کو ٹٹولا۔ تو اس کو مضبوط پایا لیکن میں نے دیکھا۔ کہ میرا جسم اس عہد میں میرا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں۔ میری صحت اس قابل نہیں کہ محنت شاقہ برداشت کر سکوں اور میری تربیت اس قسم کی ہوئی ہے۔ کہ کبھی محنت شاقہ برداشت نہیں کرنی پڑی۔ آخر میں اس کے حضور جھک گیا۔ جو کہ اپنے بندوں کے دلوں پر نظر رکھتا ہے۔ اور جہاں وہ بے بس ہوں۔ وہاں خود مدد کو پہنچتا ہے۔ میری بیچارگی اور میری بے مائیگی کو دیکھکر اس کا رحم اور اس کی نصرت اور اس کا فضل جوش میں آیا۔ اور کام کرنے کی ایسی راہ مجھے سجھا دی۔ جو میرے لئے مالا یطاق نہ تھی۔ ریزرو فنڈ کو قائم کرنے کے لئے اور غیر احمدی احباب سے چندہ اکٹھا کرنے کے لئے جو تحریک حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ نے کی تھی اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے میں کانفرنس کے دوسرے دن عازم سفر ہوا۔ اور اللہ تعالےٰ کے رحم اور فضل سے مجھے کل چار روز کے سفر میں دیگر مصروفیتوں کے ہوتے ہوئے چار ہزار کی رقم غیر احمدی بزرگوں۔ عزیزوں اور دوستوں سے حاصل ہوگئی۔ اور میرا اور میرے مکرم بھائی خان عبدالرحمٰن خان صاحب کا اگر چندہ شامل کر لیا جائے۔ تو یہ رقم پانچ ہزار بن جاتی ہے۔ اور بعض ایسی راہیں اللہ تعالےٰ نے کھولدی ہیں۔ اور بعض ایسی تجاویز ذہن میں آئی ہیں۔ کہ کچھ بعید نہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ کے رحم اور فضل کے ساتھ یہ رقم تھوڑے عرصہ کے اندر دس بارہ ہزار تک پہنچ جائے۔ میں نے یہ رقم اولڈ بوائز تعلیم الاسلام ہائی سکول ہونے کی حیثیت سے جمع کی ہے۔ اور یہ رقم اولڈ بوائز تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کی طرف سے ہی دفتر بیت المال میں جمع کرائی جائیگی۔ میں اولڈ بوائز تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کی خدمت میں یہ بھی عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ پہلے ہماری ایسوسی ایشن کا انتظام قابل تسلی نہ تھا۔ اور ابھی تک اس ایسوسی ایشن نے کوئی نمایاں کام کر کے نہیں دکھایا تھا۔ اس لئے یہ بے جان سی ہو رہی تھی۔ اب اس ایسوسی ایشن کے نظام کو بدلا گیا ہے۔ چنانچہ سید محمود اللہ شاہ صاحب بی۔ اے سیکرٹری ایسوسی ایشن تجویز ہوئے ہیں۔ سید صاحب کی قابلیت اور حسن اخلاق سے کوئی اولڈ بائے ناواقف نہیں۔ مجھے امید ہے۔ کہ آپ کی سیکرٹری شپ میں ہماری ایسوسی ایشن نمایاں ترقی حاصل کریگی۔ میری تمام اولڈ بوائز تعلیم الاسلام ہائی سکول سے درخواست ہے۔ کہ وہ جلد سے جلد اپنے مفصل پتوں سے انہیں مطلع فرمائیں۔ تاکہ ان کو ممبران سے خط و کتابت کرنے میں آسانی ہو۔ اس کے بعد میں یہ بھی درخواست کرونگا۔ کہ وہ اپنے عزیز و اقارب اور دوستوں میں اپنے اثر کو کام لاتے ہوئے اس کار خیر کے لئے روپیہ اکٹھا کریں۔ اور جو رقم وہ ارسال فرمائیں۔ اس سے سیکرٹری صاحب کو مطلع فرمائیں۔ اولڈ بوائے ایسوسی ایشن نے ریزرو فنڈ میں ایک ہزار روپیہ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ کیا ہی اچھا ہو۔ اگر ہم سب ملکر کم از کم بیس ہزار کی رقم اس فنڈ کے لئے اکٹھی کر دیں ہم میں سے بہت سے ایسے ہیں۔ جو بڑے بڑے عہدوں پر مامور ہیں۔ اور اپنے حلقہ میں اچھا اثر رکھتے ہیں۔ اگر ہم سب ملکر اس عزم کے ساتھ کام کریں کہ یہ رقم پوری کرنی ہے۔ تو کچھ بعید نہیں۔ کہ چند دنوں میں بیس ہزار کی رقم پوری ہو جائے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں اپنی راہ میں ہر قسم کی قربانیاں کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہماری زندگی ہماری موت اور ہماری قربانیاں سب اسی کے لئے ہوں۔ اور ہم اس کی ابدی رضا حاصل کر سکیں۔

خاکسار:۔ محمد عبداللہ خاں آف مالیرکوٹلہ۔ وائس پریذیڈنٹ اولڈ بائز ایسوسی ایشن تعلیم الاسلام ہائی سکول۔ قادیان ⁂

دعوت مباہلہ،

اور

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے معاندین کو منہاج نبوت کے مطابق آخرکار دعوت مباہلہ دی۔ جس کو قبول کرنے کی انہیں جرأت نہ ہوئی۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری بھی ان لوگوں میں سے ایک تھے۔ جو اس مقابلہ کے لئے مدعو کئے گئے (انجام آتھم ص۲۲) مگر آپ نے اس سے پہلو تہی کرتے ہوئے تحریر کیا

”چونکہ یہ خاکسار نہ واقع میں اور نہ آپ کی طرح نبی یا رسول یا ابن اللہ یا الہامی ہے۔ اس لئے ایسے مقابلہ کی جرأت نہیں کر سکتا۔ میں افسوس کرتا ہوں۔ کہ مجھے ان باتوں پر جرأت نہیں“

(الہامات مرزا صفحہ ۸۵ طبع دوم)

زمانہ گذر گیا۔ حضرت مرزا صاحب کی تحدی اور اہل حدیثوں کی گھبراہٹ کو دیکھتے ہوئے مولوی ثناء اللہ صاحب سے جب کچھ بن نہ پڑا۔ تو مباہلہ کے لئے طیار ہونے کا اعلان کر دیا۔ بلکہ ترنگ میں آکر یہاں تک لکھ دیا:۔

”انہیں ہمارے سامنے لاؤ۔ جس نے ہمیں رسالہ انجام آتھم میں مباہلہ کے لئے دعوت دی ہوئی ہے۔ کیونکہ جب تک پیغمبر جی سے فیصلہ نہ ہو سب امت کے لئے کافی نہیں ہو سکتا“

(اہلحدیث ۲۹ر مارچ ۱۹۰۷ء)

اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو دعائے مباہلہ بنام ”مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ“ شائع فرما دی۔ مگر مولوی صاحب نے خائفۃً ہائشۃً کی تصدیق کرتے ہوئے لکھ دیا:۔

”میں نے آپ کو مباہلہ کے لئے نہیں بلایا۔ میں نے تو قسم کھانے پر آمادگی کی ہے۔ مگر آپ اس کو مباہلہ کہتے ہیں۔ حالانکہ مباہلہ اس کو کہتے ہیں۔ جو فریقین مقابلہ پر قسمیں کھائیں۔ میں نے حلف اٹھانا کہا ہے۔ مباہلہ نہیں کہا۔ قسم اور ہے مباہلہ اور ہے“

(اہلحدیث ۱۹ اپریل ۱۹۰۷ء)

جب مباہلہ کی صورت دو طرفہ پیدا نہ ہوئی۔ تو قدرت الٰہی نے مولوی ثناء اللہ صاحب کو مہلت دیکر ان کے اپنے مسلمہ قانون کی رُو سے مفسد۔ نافرمان۔ دغاباز اور جھوٹا ثابت کر دیا۔ بعد ازاں چونکہ مولوی صاحب مخلوق خدا پر حقیقت کو مکدر کرنے کی بے جا کوشش میں منہمک ہو گئے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کو اسی مقابلہ کا اثر قرار دینے لگے۔ اس لئے ان کو متعدد بار علاوہ عقلی دلائل کے کھلم کھلا مباہلہ کی دعوت بھی دی گئی۔ جس کے متعلق مولوی صاحب

اہلحدیث ۱۱ رفروری ۱۹۲۷ء میں لکھتے ہیں:۔

"یہ بیان بالکل صحیح ہے۔ کہ مجھ کو مباہلہ کی طرف بلایا گیا مرزا صاحب نے اپنی زندگی میں بھی بلایا۔ اور اب بھی بلایا جاتا ہے۔ مگر میرا مباہلہ مرزا صاحب سے نہیں ہوا۔ اور اب تو حاجت ہی نہیں رہی" (صفحہ ۳)

حضرت مرزا صاحب سے مباہلہ کیوں نہیں ہوا؟ اس کے متعلق بھی آپ کا عذر لنگ سن لیجئے لکھتے ہیں:۔

"جناب متوفی کی عادت شریفہ تھی۔ کہ جو نہی کسی مخالف کو کوئی معمولی سی تکلیف ہوئی۔ تو انہوں نے اس کو اپنا نشان قرار دیا۔ اس لئے ان کی زندگی میں ان سے پوچھتا رہا۔ کہ مباہلہ کا اثر کیا ہوگا۔ مجھے پہلے بتا دیجئے۔ یہ بتلانے سے وہ ہمیشہ پہلو تہی کرتے رہے۔ آخر کار انہوں نے لکھا کہ یہ تمہاری کٹ حجتیں ہیں۔ اب میں خدائی تحریک سے تمہارے فیصلہ کے لئے خدا سے دعا کرتا ہوں۔ کہ جو ہم دونوں (مرزا اور ثناء اللہ) میں سے جھوٹا ہے۔ وہ سچے کی زندگی میں پہلے مر جائے گا" (اخبار بدر مورخہ ۱۳ رجون ۱۹۰۷ء) مرزا صاحب کے اس اقرار سے پہلی سب دعوتیں اور مباہلہ کے متعلق گفتگوئیں بند ہوگئیں۔ بجائے مباہلہ کے یکطرفہ دعا موسومہ "مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ" شائع ہوگئی" (اہلحدیث ۱۱ رفروری ۱۹۲۷ء)

مولوی صاحب نے اس مختصر عبارت میں بھی متعدد غلط بیانیوں سے کام لیا ہے۔ (۱) کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہی عادت تھی۔ جو مولوی ثناء اللہ صاحب نے تحریر کی ہے؟ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ باقی الہام اور پیشگوئی کے مطابق "معمولی سی تکلیف" نشان کیوں نہیں؟ کیا "دون العذاب الاکبر" والا عذاب نشان نہیں ہوتا؟ (۲) "میں ان سے پوچھتا رہا۔ کہ مباہلہ کا اثر کیا ہوگا" کیا آپ کو قرآنی آیت فنجعل لعنت اللہ علی الکاذبین معلوم نہ تھی۔ یا اس پر ایمان نہ تھا۔ اس لئے تعیین عذاب کروانے کے درپے تھے۔ پھر بھلا یہ عجیب بات نہیں۔ کہ بقول خود آپ عمر بھر تو "مباہلہ" کے اثر کی تخصیص چاہیں۔ لیکن جب فریق ثانی مباہلہ کے لئے بلائے۔ تو آپ صاف کہدیں۔

"میں نے آپ کو مباہلہ کے لئے نہیں بلایا۔ میں نے تو قسم کھانے پر آمادگی ظاہر کی ہے" (اہلحدیث ۱۹ ر اپریل ۱۹۰۷ء)

اب آپ ہی بتائیں۔ کہ دونوں باتوں میں سے آپ کسے جھوٹ تسلیم کرتے ہیں۔ کیونکہ یہاں تو نفس مباہلہ کا ہی انکار ہے۔ نہ کہ صرف مباہلہ کے اثر پہ اصرار۔

(۳) آپ نے محض کذب آفرینی کے طور پر لکھا ہے۔ کہ حضرت مرزا صاحب مباہلہ کا اثر بتانے سے ہمیشہ پہلو تہی کرتے رہے۔ حالانکہ حقیقت بالکل برعکس ہے۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے آپکو مخاطب کر کے مباہلہ کا اثر صاف لفظوں میں "موت" قرار دیا ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:۔

"اگر اس چیلنج پر وہ (ثناء اللہ) مستعد ہوئے کہ کاذب صادق سے پہلے مر جائے۔ تو ضرور وہ پہلے مرینگے" (اعجاز احمدی صفحہ ۳۷)

"شرط یہ ہوگی کہ کوئی موت قتل کے رو سے واقع نہ ہو۔ بلکہ محض بیماری کے ذریعہ سے ہو۔ مثلاً طاعون سے یا ہیضہ سے یا اور کسی بیماری سے" (اعجاز احمدی صفحہ ۱۴)

کیا اس صراحت کے باوجود یہ لکھنا کہ مرزا صاحب "مباہلہ کا اثر" بتانے سے ہمیشہ پہلو تہی کرتے رہے۔ صداقت کا خون کرنا نہیں ہے؟ اہلحدیثو! الیس فیکم رجل رشید؟

(۴) "آخر کار انہوں نے لکھا" الخ۔ بالکل جھوٹ۔ میں مولوی ثناء اللہ صاحب کو چیلنج دیتا ہوں۔ کہ بدر ۱۳ رجون ۱۹۰۷ء سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریر ثابت کریں۔ مگر ع

ایں خیال است و محال است و جنوں

کیا یہ عجیب بات نہیں۔ کہ محولہ بالا اخبار میں حضرت مسیح موعودؑ کی کوئی تحریر بھی اس بارہ خاص میں مندرج نہیں۔ صرف جناب مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر اخبار بدر کا ایک خط درج ہے لیکن اس میں بھی مندرجہ بالا اقتباس کردہ فقرات نہ لفظاً نہ معناً موجود ہیں۔

(۵) "آخری فیصلہ" کو آپ اب "یکطرفہ دعا" قرار دیتے ہیں۔ اور یہ محض آپ کا ایک حیلہ ہے۔ اگر یہ درست ہے۔ تو میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں (الف) آیا یکطرفہ دعا کے لئے بھی فریق ثانی سے منظوری لی جاتی ہے۔ کیا حضرت موسیٰؑ نے فرعون پر بد دعا کرتے ہوئے اس سے منظوری لی تھی۔ اگر منظوری لینے کی ہرگز ضرورت نہیں ہوا کرتی۔ تو آپ نے کس عقل و دانش کے ماتحت اس کی منظوری نہ لینے کو "دجل" اور "فریب" بتاتے ہوئے لکھا تھا۔ کہ "اس دعا کی منظوری مجھ سے نہیں لی۔ اور بغیر میری منظوری کے اس کو شائع کر دیا"

(ب) "یکطرفہ دعا" پر اگر فریق ثانی کہے کہ مجھے یہ منظور نہیں تو آپ اسے کیا کہیں گے؟ دانا یا نادان؟ اور پھر جو "یکطرفہ دعا" کو نامنظور کرکے اسی کو اپنی دانائی کی دلیل بتلائے۔ اسے "جاہل مرکب" بننے میں آپ کو کیا عذر ہے؟ اس سوال کا جواب دیتے وقت مندرجہ ذیل اپنے ہی فقرات مدنظر رکھ لیں:۔

"یہ تحریر تمہاری مجھے منظور نہیں اور نہ کوئی دانا اس کو منظور کر سکتا ہے" (اہلحدیث ۲۶ ر اپریل ۱۹۰۷ء)

اب آپ کو ماننا پڑے گا۔ کہ یا تو یہ دعا یکطرفہ نہیں یا آپ دانشمند نہیں فرماتے ہے۔

(ت) کیا انبیاء سابقین اپنے مخالفوں پر یکطرفہ دعا کرتے رہے ہیں یا نہیں؟ اگر کیتے رہے ہیں۔ اور ضرور کرتے رہے ہیں اور ان کی بیسیوں دعائیں قرآن پاک میں مذکور ہیں۔ تو پھر آپ ہی بتایئے۔ کہ حضرت مرزا صاحب کی اس دعا کو یکطرفہ مان کر آپ کس طرح اس دعا کے متعلق یہ کہہ سکتے تھے۔ کہ:۔

"مرزائیو! تمہارا گرو اور تم کہا کرتے ہو۔ کہ مرزا صاحب منہاج نبوت پر آئے ہیں۔ کسی نبی نے بھی اس طرح اپنے مخالفوں کو اس طریق سے فیصلہ کرنے کی طرف بلایا ہے؟ بتلاؤ تو انعام لو۔ ورنہ منہاج نبوت کا نام لیتے ہوئے شرم کرو"

ناظرین باتمکین! آپ للہ غور فرمائیں۔ کہ اگر حضرت مرزا صاحب کی دعا یکطرفہ دعا تھی۔ تو کیا یہ کوئی انوکھی بات تھی؟ کیا اور نبی دشمنوں پر یکطرفہ بد دعائیں نہ کیا کرتے تھے۔ اب دو ہی راستے کھلے ہیں۔ یا تو مولوی صاحب کو قرآن مجید، احادیث نبوی تاریخی واقعات سے ناواقف تسلیم کیا جائے۔ یا پھر اس دعا کو "دعائے مباہلہ" مانا جائے۔ جیسا کہ خط کشیدہ الفاظ میں "اس طریق سے فیصلہ کرنے کی طرف بلایا ہے" سے بھی عیاں ہے۔ باقی اس وقت میں چونکہ مولوی صاحب مباہلہ کے تلخ گھونٹ کو پینے کے لئے طیار نہ تھے۔ اس لئے حضرت مرزا صاحب کا "دعائے مباہلہ" شائع کر دینا ان کو محل اعتراض نظر آیا۔ جس پر وہ منہاج نبوت کی سند طلب کر رہے ہیں۔

(ج) مولوی صاحب جس دعا کو آج آپ یکطرفہ دعا لکھ رہے ہیں۔ اس کے متعلق آپ ہی کے قلم سے نکل چکا ہے:۔

"کرشن قادیانی نے ۱۵ ر اپریل ۱۹۰۷ء کو میرے ساتھ مباہلہ کا اشتہار شائع کیا تھا" (مرقع قادیانی جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۸)

تبلایئے! یہ تخالف اور تہافت کیوں؟ "مباہلہ کا اشتہار" بیس سال میں "یکطرفہ دعا" سے کیوں بدل گیا؟ اس جگہ ممکن ہے کہ مولوی صاحب اور ان کے بعض حاشیہ نشینوں کے دل میں وہم گذرے۔ کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے۔ کہ حضرت مرزا صاحب بھی اس دعا کو "دعائے مباہلہ" ہی سمجھتے تھے۔ اور مولوی ثناء اللہ صاحب کی موت کو اپنے سے پہلے صرف مباہلہ کرنے کی صورت میں ہی ضروری ٹھہراتے تھے۔ سو ایسے تمام اوہام کے ازالہ کے لئے میں حضرت اقدس کا اس دعا کے کئی ماہ بعد کا حوالہ پیش کرتا ہوں۔ حضور فرماتے ہیں:۔

"یہ کہاں لکھا ہے۔ کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مر جاتا ہے۔ ہم نے تو اپنی تصانیف میں ایسا نہیں لکھا۔ لاؤ پیش کرو وہ کونسی کتاب ہے جس میں ہم نے ایسا لکھا ہے۔ ہم نے تو یہ لکھا ہے۔ کہ مباہلہ کرنے والوں میں سے جو جھوٹا ہو وہ سچے کی زندگی میں مر جاتا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ کیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سب اعداء ان کی زندگی میں ہی ہلاک ہوگئے تھے۔ بلکہ ہزاروں اعداء آپ کی وفات کے بعد

زندہ رہے۔ ہاں جھوٹا مباہلہ کرنے والا سچے کی زندگی میں ہلاک ہوا کرتا ہے۔ ایسے ہی ہمارے مخالف بھی ہمارے مرنے کے بعد زندہ رہیں گے۔ ہم تو ایسی باتیں سن کر حیران ہوتے ہیں دیکھو ہماری باتوں کو کیسے الٹ پلٹ کر پیش کیا جاتا ہے۔ اور تحریف کرنے میں وہ کمال حاصل کیا ہے۔ کہ یہودیوں کے بھی کان کاٹ دیئے ہیں۔ کیا یہ کسی نبی ولی قطب غوث کے زمانہ میں ہوا۔ کہ اس کے سب اعداء مر گئے ہوں۔ بلکہ کافر منافق باقی رہ ہی گئے تھے۔ ہاں اتنی بات صحیح ہے۔ کہ سچے کے ساتھ جو جھوٹے مباہلہ کرتے ہیں۔ تو وہ سچے کی زندگی میں ہلاک ہوتے ہیں۔ ایسے اعتراض کرنے والے سے پوچھیں کہ یہ ہم نے کہاں لکھا ہے۔ کہ بغیر مباہلہ کرنے کے ہی جھوٹے سچے کی زندگی میں تباہ اور ہلاک ہو جاتے ہیں۔ وہ جگہ تو نکالو۔ جہاں یہ لکھا ہے"

(اخبار الحکم ۱۰ر اکتوبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۹)

یہ اقتباس محتاج تشریح نہیں۔ حضرت اقدس نے ہر احتمالی شک کا بھی ازالہ فرما دیا ہے۔ پس ۱۵ر اپریل ۱۹۰۷ء کی دعا کے مباہلہ کو اب "یکطرفہ دعا" قرار دینا مولوی صاحب کا دعوے بلا دلیل ہے۔ جو قابل پذیرائی نہیں۔ اندریں حالات یہ معمہ حل طلب ہے کہ مولوی صاحب مباہلہ سے کیوں گریز کرتے ہیں؟ مولوی صاحب کا فرمان "میرا مباہلہ مرزا صاحب سے نہیں ہوا" بالکل سچ ہے۔ لیکن "اب تو حاجت ہی نہیں رہی" سراسر غلط۔ کیونکہ اگر مباہلہ ہو جاتا تو بے شک پریوی کونسل کے فیصلے کے بعد نئے سرے سے شروع کرنا غلطی تھا۔ لیکن مباہلہ نہ ہونے کی صورت میں "اب تو حاجت ہی نہیں رہی" کا ورد زبان ہونا اس سے بھی زیادہ غلط تر ہے مولوی صاحب کے ان دونوں فقروں "میرا مباہلہ مرزا صاحب سے نہیں ہوا۔ اور اب تو حاجت ہی نہیں رہی" سے اگر کچھ نہ بھی ثابت ہو۔ تو کیا یہ کم ہے۔ کہ آیت قرآنی ولا یتمنونہ ابدا بما قدمت ایدیھم (ترجمہ) کی کھلم کھلا تصدیق ہو گئی ہے۔

(خاکسار اللہ دتا جالندھری (مولوی فاضل) قادیان)

احمدیت کا مقابلہ بہائیت کبھی نہیں کر سکتی

احمدی بیش قیمت خدمات اسلام کر رہے ہیں

قاضی اکمل صاحب کا مضمون بہائی ازم کے متعلق شروع مارچ کے الفضل میں میری نظر سے گذرا۔ واقعات کے لحاظ سے مضمون فی الواقع میرے ذاتی مشاہدات کا عکس تھا۔ حقیقت یہ ہے۔ بہائی ازم کو جو کوئی بھی غور کی نظر سے دیکھے گا۔ بلاشبہ اس کی یہی رائے ہوگی۔ کہ چوں چوں کا مربہ ہے۔ اصل اصول احکامات نہایت احتیاط سے صیغہ راز میں سربستہ ہیں۔ کتاب اقدس اور البیان شاید بہائی لیڈروں کی خفیہ تحویل میں ہوں عوام الناس کی آنکھیں دیکھنے کو ترستی ہیں۔ بحث تمحیص فرداً فرداً اشخاص سے نہایت خاموشی کے ساتھ کی جاتی ہے۔ البتہ نرمی پیار اور مصنوعی محبت کا اظہار بوقت گفتگو بہائی مبلغین کا شیوہ ہے۔ جس ڈھب کی جس سائل علما اور فلاسفروں کی روش ہو۔ اور اخبارات میں مضمون ہوں۔ اسی نوع کے احکام شوکی صاحب چھوٹے چھوٹے پمفلٹ کی صورت میں شائع کر دیتے ہیں۔ ایک زمانہ تھا۔ کہ ہربرٹ سپنسر کی تعلیمات اور کتب مغربی دنیا کے لئے روحانی غذا تھیں۔ جب سپنسر کی تردید اور تنقید بڑے زور شور سے ہوئی۔ تو بہائی ازم نے سپنسر کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور دیگر عقلاء کی تقلید شروع کر دی۔ جاپانیوں کے درمیان گئے۔ تو شنٹو ازم کو بالکل مطابق تعلیم سلسلہ خود ظاہر کیا۔ اور ان کی پرانی تہذیب اور تمدن کے راگ الاپے۔ اسی طرح یہی روش اختیار کرتے ہوئے بمبئی میں سنٹر قائم کر لیا ہر مذہب اور ہر خیال کے آدمی کے ساتھ اسی کی آسانی کے مطابق گفتگو کر کے سادہ لوح ہوا۔ تو پھانس لیا۔ نہایت احتیاط سے گفتگو کے ساتھ جہاں تک میری بساط کام کر سکی میں ۱۹۰۵ء سے ہندوستان میں ماسوائے رنگون کے بہائیوں کی نقل و حرکت کو غور سے دیکھ رہا ہوں۔ میرا ناقص مشاہدہ مجھے مجبور کرتا ہے۔ کہ میں بلاخوف تردید کہوں۔ کہ ہندوستان میں بابی سلسلہ تبلیغ مکمل طور پر ناکام ہو چکا ہے۔ مرزا محمود طہرانی لاہور میں موچی دروازہ سالہا سال تک رہے۔ مگر جہاں تک میرا علم ہے۔ کسی فرد واحد کو بھی ہمہ خیال نہ بنا سکے۔ اسی طرح مرزا محرم بمبئی میں ماسوا محدودے چند آدمیوں کے کسی کو بہاء اللہ کا حلقہ بگوش نہ کر سکے۔ امریکہ میں جہاں بڑا زور شور بیان کیا جاتا ہے۔ وہاں بھی یہی کہا جاتا ہے۔ کہ یہاں کچھ نہیں شکاگو میں بڑی جماعت ہے۔ وہاں پہنچو تو پتہ چلتا ہے۔ کہ کیلیفورنیا اور وینی پیگ میں خاص جماعت ہے۔ اسی طرح

اگر وہاں جائیں۔ تو دوسرے شہر کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ عکہ میں جہاں بہاء اللہ صاحب کی عمر کٹی۔ غالباً وہاں کی تعداد اور اردگرد کے حالات مولانا علمی صاحب ضرور شائع کریں گے۔ واقعات سے پتہ چلتا ہے۔ کہ وہاں بھی سوائے ناکامی اور مایوسی کے کچھ نتیجہ امید افزا نہ نکلا۔ موجودہ سنٹر کے متعلق تو کیا کہنا ہے۔ اختلاف کی خاطر ہرگز نہیں۔ بلکہ انصاف کی خاطر ہی کہا جا سکتا ہے۔ کہ بہائی ازم دن بدن باوجود تبلیغی مساعی کے ماند پڑ رہی ہے۔ اور دوسرے باطل فرقہ جات کی طرح دم توڑ رہی ہے۔ میرا اکمل صاحب سے اختلاف ہے۔ اور ان چند ٹوٹے پھوٹے الفاظ کی تحریر کی جرات بھی اسی وجہ سے ہے۔ کہ اسلام اور احمدیت کا مقابلہ بہائی ازم کبھی نہیں کر سکتی۔ اصول اور احکام کے لحاظ سے بہائی ازم تو عیسائیت سے بھی گئی گذری ہے۔ کوئی ضابطہ نہیں۔ کوئی قانون مقرر نہیں۔ بوقت ضرورت مذہبی احکام جس طرح چاہیں توڑ مروڑ سکتے ہیں۔ جنٹلمین نماز اور عبادت اگر کسی نے سیکھنی ہو۔ تو حلقہ ارادت بہائی ازم میں شامل ہو جائے المختصر بہائی ازم میں خدا کا قانون اور عبادت قطعاً نہیں۔ اور شاید یہ نہ ہی ان کا دعویٰ ہو۔ میرا مخلصانہ مشورہ ہے۔ کہ احمدیت کو ہرگز ہندوستان میں بہائی ازم سے الجھنا نہیں چاہیئے اور اپنے قیمتی وقت اور انمول اخبارات کے صفحات کو بہائی ازم جیسی خرافات کے لئے کبھی وقف نہیں کرنا چاہیئے۔ اس وقت جو خدمات اسلام احمدیت کر رہی ہے۔ وہ اس قدر بیش قیمت اور گراں قدر ہیں۔ کہ احاطہ تحریر میں لانا ناممکنات سے ہے۔ دشمن سے دشمن بھی تبلیغی خدمات سلسلہ کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں۔ اپنے خلوص اور حب اسلام کا خراج تحسین خادمان احمدیت کل اقلیم عالم سے وصول کر چکے ہیں۔ گو مجھے سلسلہ سے شرف بیعت نہیں ہے۔ مگر خدا ہی جانتا ہے۔ میرے دل میں ادنےٰ سے ادنےٰ احمدی بھائی کے لئے کس قدر پیار اور محبت ہے۔ اللہ تعالےٰ اس تحریک برحق کو ضرور کامیاب کرے گا۔ اور دن بدن پھلے پھولے گی۔

(دعاگو احقر شاہ محمد بیرسٹر ایٹ لا۔ شیخوپورہ)

اطلاع

بہ تقریب عید الفطر یکم اپریل کے بجائے ۸ر اپریل کو الفضل نکلا تھا۔ اور اس کی اطلاع پہلے کر دی گئی تھی۔ باوجود اس کے کئی خطوط آ رہے ہیں۔ کہ ۷ر اپریل کا پرچہ نہیں پہنچا۔ ناظرین کرام کو نمبر مسلسل دیکھ کر شکایت کرنی چاہیئے۔ ۸۰ کے بعد ۸۱ شائع ہوا ہے۔

(ناظم طبع و اشاعت)

پاؤں سے لکھنے والا مدرس

نظارت تعلیم و تربیت قادیان کو اطلاع ملی ہے۔ کہ ایک احمدی نارمل پاس سرگودھا میں مدرس ہیں۔ ان کے دونو ہاتھ خراب ہیں۔ صرف پاؤں سے لکھتے ہیں۔ پاؤں کے انگوٹھے اور انگلی کے درمیان پنسل اور قلم رکھ کر لکھتے ہیں۔ اور خوب صاف اور تیز لکھتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ جب انسان کو علم کا شوق ہو تو وہ باوجود ایسی معذوریوں کے بھی علم سیکھ سکتا ہے۔ وہ لوگ جو معمولی معمولی

مقبرہ بہشتی کی توسیع

سے متعلق

حضرت مسیح موعود مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وصیت

مقبرہ بہشتی کیا نام ہے!

جماعت کے پاک دل صادق، وفادار، جاں فدا کرنیوالے جاں فشانوں کے نام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پیغام

آؤ! لبیک کہو

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں (الوصیۃ صفحہ ۱۵)

"میں نے اپنی ملکیت کی زمین جو ہمارے باغ کے قریب ہے۔ جس کی قیمت ہزار روپیہ سے کم نہیں (اب تو کئی ہزار ہوتی ہے) اس کام کے لئے تجویز کی۔ اور میں دعا کرتا ہوں۔ کہ خدا اس میں برکت دے اور اسی کو بہشتی مقبرہ بنادے۔ اور یہ اس جماعت کے پاک دل لوگوں کی خوابگاہ ہو۔ جنہوں نے درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم کرلیا۔ اور دنیا کی محبت چھوڑ دی۔ اور خدا کے لئے ہوگئے۔ اور پاک تبدیلی اپنے اندر پیدا کرلی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کی طرح وفاداری اور صدق کا نمونہ دکھلایا۔ آمین یارب العالمین"

"پھر میں دعا کرتا ہوں۔ کہ اے میرے قادر خدا اس زمین کو میری جماعت میں سے ان پاک دلوں کی قبریں بنا۔ جو فی الواقعہ تیرے لئے ہوچکے۔ اور دنیا کی اغراض کی ملونی ان کے کاروبار میں نہیں آمین یارب العالمین"

"پھر میں تیسری دفعہ دعا کرتا ہوں۔ اے میرے قادر کریم اے خدائے غفور الرحیم تو صرف ان لوگوں کو اس جگہ قبروں کی جگہ دے۔ جو تیرے اس فرستادہ پر سچا ایمان رکھتے ہیں۔ اور کوئی نفاق اور غرض نفسانی اور بدظنی اپنے اندر نہیں رکھتے۔ اور جیسا کہ حق ایمان اور اطاعت کا ہے۔ بجالاتے ہیں۔ اور تیرے لئے اور تیری راہ میں اپنے دلوں میں جاں فدا کرچکے ہیں۔ جن سے تو راضی ہے۔ اور جن کو تو جانتا ہے۔ کہ وہ بکلی تیری محبت میں کھوئے گئے۔ اور تیرے فرستادہ سے وفاداری اور پورے ادب اور انشراحی ایمان کے ساتھ محبت اور جانفشانی کا تعلق رکھتے ہیں۔ آمین یارب العالمین"

یہ وہ مقبرہ بہشتی ہے۔ جس کا اوپر ذکر ہے۔ اور اب چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جاں نثار پروانوں کا ہجوم مزار مبارک کے گرداگرد اس قدر ہوگیا ہے کہ جگہ تنگ ہوگئی ہے۔ اور اس کی توسیع لازمی ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاک دل۔ صادق۔ وفادار۔ جاں فدا کرنے والے۔ جاں فشاں اور عاشقان باادب کی خدمت میں یہ عرض ہے۔ کہ اپنی خوابگاہ جنت کی توسیع کی فکر کریں تاکہ اپنے پیشرو بھائیوں کے ساتھ اس بزم خموشاں میں شریک ہوکر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محفل قدسیہ میں جام محبت الٰہی پئیں۔ اور حیات جاوید کی روز افزوں مدارج پائیں ؞

دو ہزار روپیہ میں توسیع ہوگی

مقبرہ بہشتی میں دفن ہونے کی خواہش رکھنے والے احمدی احباب کی خدمت میں عرض ہے۔ کہ دنیا دار فنی و گذشتنی ہے۔ دنیا فنا کا دور جاری ہے۔ نہیں معلوم کس دوست کو کس وقت اس دنیا سے کوچ کرنا پڑے۔ پس کون ہے۔ جو ہم میں سے اپنے اس پاک آقا (فداہ ابی وامی) کے بزم حیات بخش کی شرکت کی تڑپ اپنے اندر نہیں رکھتا۔ اور کون ہے۔ جس کی آنکھیں فرقت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تھک کر ہر وقت آپ کے دیدار کی مشتاق نہیں ہیں۔

اے دوستو! جلدی کرو۔ اور قرب الٰہی کے حصول کی فکر کرو دیکھو حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

"تمہیں خوشخبری ہو۔ کہ قرب پانے کا میدان خالی ہے۔ ہر ایک قوم دنیا سے پیار کررہی ہے۔ اور وہ بات جس سے خدا راضی ہو۔ اس کی طرف دنیا کو توجہ نہیں۔ وہ لوگ جو پورے زور سے اس دروازہ میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔ ان کیلئے موقعہ ہے۔ کہ اپنے جوہر دکھلائیں اور خدا سے خاص انعام پائیں"

پھر دوسری جگہ الوصیت میں فرماتے ہیں:۔

"ہر ایک نیکی کی راہ اختیار کرو۔ نہ معلوم کس راہ سے قبول کئے جاؤ"

دنیائے اسلام پر خصوصاً نگاہ ڈالکر دیکھو سوائے تمہارے اے جان فدا کرنے والو! کوئی اور ہے۔ جو آج خالصۃً لوجہ اللہ اشاعت اسلام کررہا ہو پس اس میدان کو خالی چھوڑنا صادق وفاداروں کا کام نہیں۔ اٹھو! اٹھو!! اور لبیک لبیک کہتے ہوئے اللہ کی رضا حاصل کرو۔ تاکہ دنیوی دور زندگی ختم ہوکر بہشتی مقبرہ میں خوابگاہ اور آرام کا ٹھکانا نصیب ہو۔

توسیع اراضی کے لئے ہمت مردانہ اور اخلاص صادقانہ سے کام لو اور ۳۰ جون ۱۹۲۷ء تک اس ضرورت کو پورا کردو۔

اس مقبرہ بہشتی میں دفن ہونے والوں کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وصیت کے آخری حصہ کے الفاظ پڑھکر جلد فیصلہ کرو۔ کہ کہاں دفن ہونا ہے۔

"خداتعالیٰ کا ارادہ ہے۔ کہ ایسے کامل الایمان ایک ہی جگہ دفن ہوں۔ تا آئندہ کی نسلیں ایک ہی جگہ ان کو دیکھ کر اپنا ایمان تازہ کریں۔ اور تا ان کے کارنامے یعنی جو خدا کے لئے انہوں نے دینی کام کئے۔ ہمیشہ کے لئے قوم پر ظاہر ہوں"

توسیع اراضی مقبرہ بہشتی کے لئے تمام روپیہ محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان کے نام آنا چاہیئے۔ اور کوپن میں صاف صاف تحریر ہو۔ "توسیع اراضی مقبرہ بہشتی" اور اطلاعی کارڈ معہ مقدار رقم کے مقبرہ بہشتی کے سیکرٹری کے پاس آنا چاہیئے۔ پتہ یہ ہو۔ سیکرٹری انجمن کارپرداز مصالح قبرستان قادیان

اس تحریک کے لئے تمام روپیہ کسی ایک دوست سے نہیں لیا جائے گا۔ تاکہ تمام دوستوں کو ثواب کا موقعہ ملے۔ البتہ جن کو خدا نے اپنے فضل سے وافر حصہ دنیوی دولت کا بخشا ہے۔ وہ حسب حیثیت کوئی رقم دے سکتے ہیں۔ تاکہ غربا پر بار نہ پڑے۔

اس کار خیر میں بہت جلدی کرنا چاہیئے۔ کیونکہ مجھے یقین کامل ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاک دل وفادار ایک دم سے اس حقیر رقم کو پورا کردینے کے لئے سبقت فرمائینگے۔ اور سابقون الاولون کا شرف حاصل کریںگے۔

فہرستیں ہفتہ وار شائع ہوا کریںگی ؞

نیاز مند:۔ ذوالفقار علی خان ناظر مقبرہ بہشتی
صدر انجمن احمدیہ قادیان ؞

سید محمد سرور شاہ۔ سیکرٹری انجمن کارپرداز مصالح قبرستان قادیان

پادری صاحبان عیسائی دنیا کی فکر کریں

(ریویو)

ورلڈ ڈیمنی ان ایک رسالہ ہے۔ جو عیسائیت کی اشاعت کے لئے لنڈن سے ہر مہینے شائع ہوتا ہے۔ اس کے دسمبر ۱۹۲۶ء کے نمبر میں ایک افتتاحیہ جناب ایڈیٹر نے سپرد قلم کیا ہے۔ جس میں بتایا ہے۔ کہ اس وقت دنیا میں ایک ہیجان پیدا ہو رہا ہے۔ روح انسانی بے چین ہو رہی ہے۔ اور ایک ایسی چیز کے لئے تڑپ رہی ہے۔ جس کی اسے حقیقی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ وہ ضرورت جناب مدیر کے نزدیک صرف عیسائیت کے وجود سے ہی پوری ہو سکتی ہے۔ اور کسی طرح نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

"دنیا کے چین اور سکھ حاصل کرنے کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ وہ جناب مسیح پر ایمان لے آئیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ لوگ اپنے سارے دل سے خدا سے محبت کرینگے۔ اور اپنے پڑوسیوں سے ایسی ہی محبت کرینگے۔ گویا وہ ان کے اپنے بھائی ہیں۔ اور حسب دلخواہ نتائج کا پیدا ہونا ایک یقینی امر ہوگا"

ہمیں جناب پادری صاحب کی سادہ لوحی پر تعجب ہے۔ کہ جس حقیقی ضرورت کا احساس وہ غیر مسیحی ممالک کے لئے کرتے ہیں۔ اس کا خود مسیحی قوموں کے لئے کیوں نہیں کرتے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں یورپ اور امریکہ دونو عیسائی براعظم ہیں جن میں کروڑوں عیسائی آباد ہیں۔ اور اگر پادریوں کے ایک مخصوص حصے کو الگ کر دیا جائے تو آبادی کا بیشتر حصہ ان براعظموں میں ایسا ہے۔ جو یا تو کھلم کھلا عیسائیت سے انکاری ہے۔ یا درپردہ عیسائیت کو فضول خیالی کرتا ہے۔ کیا جناب پادری صاحب کو معلوم نہیں۔ امریکہ سے ایسے اخبار بھی نکلتے ہیں۔ جو عیسائیت اور اس کے خدا پر کھلم کھلا پھبتیاں اڑاتے ہیں۔ اور بائیبل کی "مقدس ہستیوں" کی پرلے درجے کی تضحیک کرتے ہیں۔ کیا یورپ کے فلاسفر عیسائیت کو مدت سے خیرباد نہیں کہہ چکے۔ اور اس کے پرانے جامے کو اپنے تن سے نہیں اتار چکے۔ پس جب خود عیسائیوں کا یہ حال ہے۔ تو بہتر ہے کہ غیر مسیحی ممالک کو عیسائیت کا حلقہ بگوش بنانے کی بجائے پادری صاحبان اپنی کوششوں کا رخ یورپ اور امریکہ کے عیسائی نما باشندوں کی طرف پھیر دیں۔ اور اپنی تمام تر کوشش انہیں خدا کی آسمانی بادشاہت منوانے پر صرف کر دیں۔

پادری صاحبان سمجھتے ہیں۔ اگر لوگ جناب مسیح علیہ السلام کو خدا کا اکلوتا مان لیں۔ تو وہ اپنے پڑوسیوں سے اپنے بھائیوں کی طرح محبت کرنے لگ جائینگے۔ مگر ہم پوچھتے ہیں۔ اگر مسیح پر ایمان لانے کا نتیجہ ایسا ہی مبارک نکلا کرتا ہے۔ تو آج یورپ کیوں ایک دوسرے کے خلاف ریشہ دوانیوں کا جال پھیلا رہا ہے فرانس کیوں جرمنی کو کچلنے کی فکر میں ہے۔ اور اطالیہ کیوں غریب سلافی اقوام کو ہڑپ کر جانے کی تاک میں ہے۔ کیوں انگلستان یورپی اقوام کو ایک مناسب حد سے آگے بڑھنے نہیں دیتا۔ کیا پڑوسیوں سے یہی سلوک ہوا کرتا ہے۔ اور جب عیسائی قومیں خود آپس میں یہ سلوک روا رکھتی ہیں۔ تو ان سے کیا توقع ہو سکتی ہے۔ کہ غیر عیسائی اقوام سے کوئی عمدہ اور نیک سلوک کرینگی۔ پس یہ خوش کن خیال پادری صاحبان کو مبارک ہو۔

اگر پادری صاحبان کے نزدیک مسیح پر ایمان لانے سے عمدہ نتائج پیدا ہونے کی زبردست توقع ہے۔ تو مسیح تو خود کہتے ہیں۔ کہ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ لیکن عیسائیت کے پھل خود ظاہر ہیں۔

پادری صاحبان کا دعویٰ ہے۔ کہ کفارے پر ایمان لانے سے انسان کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ مگر ہم پوچھتے ہیں۔ آیا خود پادریوں اور عیسائیوں کے گناہ معاف ہو گئے۔ اور وہ اب معصوم ہو گئے ہیں۔ بقول بائیبل عورت کو گناہ کی سزا دی گئی۔ کہ وہ درد زہ سے بچہ جنیگی۔ اور مرد کو یہ سزا دی گئی۔ کہ وہ پیشانی کے پسینے سے روٹی کمائیگا۔ کیا عیسائی عورتوں سے درد زہ کی تکلیف دور ہو گئی۔ اور کیا مردوں کو روٹی کمانے کے لئے پسینہ بہانے کی ضرورت نہ رہی۔ اگر ضرورت ہے اور یقیناً ہے۔ تو پھر اس کفارے پر ایمان لانے کا کیا فائدہ۔ اگر گناہوں سے بچنے کے لئے نیک اعمال کا بجا لانا ضروری ہے۔ تو پھر کفارے کی ضرورت کیا رہی۔

پس ہم حیران ہیں۔ کہ پادری صاحبان کو کیا پڑی ہے۔ کہ وہ دنیا کے پیچھے پڑے ہیں۔ اور اس کی اصلاح کی فکر میں دبلے ہو رہے ہیں۔ وہ تمام دنیا میں دام تزویر پھیلانے کی بجائے اگر یورپ اور امریکہ تک ہی اپنی کوششوں کو محدود رکھیں۔ تو ان کے لئے بہتر ہو۔ دیکھو یورپ کا ایک عظیم الشان مسیحی ملک روس عیسائیت کے حلقے سے باہر ہو کر دہریہ ہو گیا۔ اور اس طرح پادریوں کے دل پر ایک زبردست چرکہ لگا گیا۔ ایسا ہی سارے یورپ کا حال ہو رہا ہے۔ پس ہم پادری صاحبان کو پھر یہ صلاح دینے سے رک نہیں سکتے۔ کہ پہلے وہ اپنے گھر کی خبر لیں۔

(خاکسار علی محمد۔ بی۔ اے۔ بی۔ ٹی۔ قادیان)

حضرت عیسیٰ کے ایک ہمعصر اور واقعہ صلیب کے عینی شاہد کا مکتوب

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کے متعلق حال میں ایک عجیب و غریب شہادت دستیاب ہوئی ہے۔ جو اس اولوالعزم نبی کی حیثیت کو صحیح طور پر سمجھنے میں بہت کچھ مدد دیتی ہے۔ یہ شہادت ایک لوح مکتوب میں درج ہے۔ جو حضرت عیسیٰؑ کے ایک ہمعصر اور واقعہ صلیب کے عینی شاہد نے اپنے سلسلے کے احباب کو مصر میں لکھا۔ اور جو سکندریہ کے ایک پرانے مکان میں ملک حبش (ابی سینیا) کی ایک تجارتی شرکت کے رکن کو دوران سیاحت میں ملا۔ محکمہ آثار قدیمہ مصر نے اس امر کی تصدیق کی ہے۔ کہ یہ پرانا مکان زمانہ قدیم میں "اسیری" فرقے کا مسکن تھا۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں علمائے فطرت کا ایک مقتدر مگر خفیہ گروہ تھا۔ اسی مکان کے اندر اس فرقے کا الواحی کتب خانہ بھی تھا اور یہ پتھر بھی اسی کتب خانہ کا بقیہ ہے۔ اور بظاہر غیر مشکوک اور اصلی ہے۔ آج یہ لوح فری میسن [illegible] جماعت کی وساطت سے المانیہ (جرمنی) کی ایک علمی انجمن کے قبضہ میں ہے۔ چونکہ اس میں حضرت عیسیٰؑ کے صلیب پر جان دینے اور تمام عالم کے گناہوں کے کفارہ ہونے کے عیسائی عقائد کی تنقیط درج ہے۔ اس لئے عیسائی پادریوں کی دستبرد سے فی الجملہ محفوظ ہے۔ مکتوب میں راقم نے اس امر کا دعویٰ کیا ہے۔ کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کے مصلوب ہونے کے وقت موجود اور اس واقعہ کا عینی شاہد تھا۔ حضرتؑ کو یہود کے سامنے پلاطوس حاکم گلیل کے فرمان کے مطابق صلیب دی گئی۔ لیکن چونکہ یوم سبت کی رات ہونے کی وجہ سے انکو سرِ شام چند گھنٹوں کے بعد صلیب سے اتار لیا گیا۔ اور ان کی ہڈیاں بھی نہیں توڑی گئیں۔ اس لئے وہ مرے نہیں۔ اگرچہ یہود کو اطمینان ہو گیا تھا۔ کہ وہ مر گئے ہیں۔ اور پہرہ دار نے بھی اس امر کی تصدیق کر دی تھی۔ جلاد سپاہیوں کا حضرت عیسیٰؑ کے بدن میں برچھی کا چبھونا۔ اور اس سے خون اور پانی کا نکلنا بھی (جس کا ذکر انجیل میں ہے) اس امر کی تصدیق ہے۔ کہ حضرت عیسیٰؑ دراصل مرے نہیں تھے۔ لیکن یہود کو گمان ہو گیا تھا۔ کہ وہ مر گئے ہیں۔ اس سے قرآن حکیم کے بیان کردہ واقعہ کی حیرت انگیز طور پر تصدیق ہوتی ہے۔ اور تیرہ سو برس کے بعد اسی کا ایک ہمعصر شہادت سے مصدق ہونا صاحب نظر کیلئے قرآن کے انسانی کلام نہ ہونے کی ایک بیّن دلیل ہے (قولہم انا قتلنا المسیح عیسیٰ ابن مریم ... وما قتلوہ یقیناً۔

راقم مکتوب اس امر پر زور دیتا ہے۔ کہ نقادیمس حکیم نے جو اسیری فرقے کا ایک اعلیٰ رکن تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مناسب علاج سے یوسف کی باغ والی قبر میں اچھا کیا۔ وہ تیسرے دن اُسی قبر اور بدن سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور باوجود انتہائی نقاہت کے اپنے حواریوں سے ملے۔ جو فرشتے سفید لباس میں اس اثنا میں روز روشن انہیں قبر کی حفاظت کرتے رہے۔ وہ بھی اسیری فرقے کے خفیہ آدمی تھے۔ جو ان کی تیمارداری پر متعین کئے گئے تھے۔ راقم کہتا ہے۔ کہ یہ خط اس لئے لکھا گیا ہے۔ کہ وہ اختلاف جو حضرت کی وفات کے متعلق عوام میں پڑ گیا ہے۔ اور جس کی وجہ سے طرح طرح کے اوہام باطلہ اور خرق عادت کے ظنون جُہلا میں پھیل گئے ہیں۔ دور ہو جائیں۔ وان الذین اختلفو فیہ لفی شک منہ

(منقول از تذکرہ مصنفہ محمد عنایت اللہ خان المشرقی الہندی صفحہ ۱۶ و ۱۷)

حیات عیسیٰ کا عقیدہ رکھنے والوں کو یہ عبارت پڑھ کر غور کرنا چاہیئے۔ کہ کس طرح خدا تعالےٰ ان کے خیال کو غلط قرار دینے کے سامان مہیا فرما رہا ہے۔

(فقیر محمد پوسٹل کلرک دردوش)

وی پی آتے ہیں

احباب کرام کو اطلاع ہو۔ کہ جن خریداران الفضل کا چندہ ۱۵ اپریل سے ۱۵ مئی تک کسی تاریخ کو ختم ہوتا ہے۔ ان کے نام وی پی کئے جائینگے۔ وی پی انکاری کرنے والوں کے نام تا وصولی قیمت الفضل بند رہے گا۔

ہر مہینے بہت سے احباب وی پی کی وصولی میں تساہل سے کام لیتے ہیں۔ اور الفضل کی تعداد اشاعت کم ہو جاتی ہے۔ پھر پندرہ بیس روز کے بعد ہم سے پچھلے پرچوں کا مطالبہ ہوتا ہے جو پورا کرنے میں دقت پیش آتی ہے۔ بہتر ہے۔ کہ جس طرح ہو سکے وی پی وصول کر لیا کریں۔

بعض دوست ازراہ تعجب لکھتے ہیں۔ کہ ہم نے وی پی وصول کیا یا منی آرڈر بھیجا مگر اس پر دستخط آپ کے نہیں تھے۔ محمد اشرف کے تھے۔ سو واضح ہو۔ کہ مرزا محمد اشرف صاحب محاسب صدر انجمن احمدیہ کا نام ہے۔ ہر قسم کی آمد جو خزانہ صدر انجمن کیلئے ہو۔ اس پر انہی کے دستخط ہو سکتے ہیں۔ کوپن ہمارے پاس ہوتے ہیں۔ اس لئے حساب کتاب بالکل درست رہتا ہے۔ اس بارے میں پورا اطمینان رکھنا چاہیئے۔

(ناظم طبع و اشاعت قادیان)

وصیت نامہ

بدفتر جناب سب رجسٹرار صاحب پٹیالہ

منکہ عبد الغنی خاں خلف مولا بخش خاں افسر فراشخانہ ساکن قصبہ سنور تحصیل پٹیالہ کا ہوں۔ جو کہ منتقر کی عمر ۵۷ سال کے قریب ہو چکی ہے۔ حیات بے ثبات کا کچھ بھروسہ نہیں ہے۔ اپنی جائیداد کے متعلق حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ مسمات قدیرۃ النساء اپنی دختر کو اس کا حق شرعی ادا کر کے اس کی رجسٹری ۳ ماگھ سمت ۸۱ کو کرا دی ہے۔ جدی جائیداد ذیل پسرم عبد الغفور خاں کو قابض کر کے اپنی جگہ ملازم کرا دیا ہے۔ اور خدا کے فضل و کرم سے میری پنشن کی منظوری بھی ہو چکی ہے۔ میری رہائش کے لئے ایک حویلی پختہ آبادی سنور میں جو میں نے اپنے شرکایان سے خریدی ہوئی ہے موجود ہے۔ جس میں میں معہ اپنی اہلیہ کے جو نکاح ثانی سے ہے رہائش رکھتے ہیں۔ اہلیہ ام کا حق مہر تعدادی مبلغ دو صد روپیہ میرے ذمہ واجب الادا تھا۔ جس کے بدلہ میں اراضی مرہونہ خرید کردہ از شرکان مالیتی ۱۵ معہ ۵ روپیہ کا حق مرتہنی اپنی اہلیہ کے نام بیع کر دیا ہے۔ جس کا اندراج کاغذات پٹواری میں کرا دیا ہے۔ اور انتقال جناب تحصیلدار صاحب کے روبرو تصدیق کرا دیا جاویگا۔ میرے انتقال کے بعد بھی اہلیہ ام حویلی مذکور میں رہائش رکھیگی۔ اور عبد الغفور خاں پسرم اس کو یعنی اپنی سوتیلی والدہ کو سات روپیہ گذارہ ماہوار دینے کا ذمہ دار ہوگا۔ بصورت نہ دینے گذارہ عبد الغفور خاں کے اہلیہ ام کو اختیار ہوگا۔ کہ اپنی حویلی رہائشی رہن یا بیع کی صورت میں لا کر گذارہ کرتی رہے۔ لیکن اگر حویلی سے باہر رہ کر گذارہ طلب کریگی۔ تو گذارہ لینے کی مستحق نہ ہوگی۔ میں اپنی جملہ جائیداد کا جس میں حویلی مذکور بھی شامل ہے ۱/۱۰ حصہ مقبرہ بہشتی دارالامان قادیان کے نام وصیت کر چکا ہوں۔ جس کی ادائیگی تا حیات کرتا رہوں گا۔ میرے مرنے کے بعد اگر کچھ حصہ باقی رہ جاوے تو اس کی ادائیگی کا پسرم عبد الغفور خاں ہی ذمہ دار ہوگا۔ لہٰذا یہ چند کلمہ بطریق وصیت نامہ کے بقائمی ہوش و حواس خمسہ تحریر کر دیئے کہ سند ہوں۔ اور وقت ضرورت کے کام آویں۔ تحریر ۲۵ رچیت سمت ۱۹۸۳ مطابق ۷ راپریل ۱۹۲۷ء بروز جمعرات۔ گواہ شد۔ مجھ کو تحریر مذکور منظور ہے۔ تحریر ۲۵ رچیت سمت ۱۹۸۳ عبد الغفور خاں۔

العبد منتظر عبد الغنی خاں خلف مولا بخش خاں افسر فراشخانہ سکنہ قصبہ سنور۔ تحصیل پٹیالہ۔

گواہ شد:۔ بندہ عبد الحق تحویلدار مبارک۔ گواہ شد۔ میر حسن خاں ذیلدار سنور بقلم خود۔ گواہ شد۔ عبد الحمید نمبردار سنور بقلم خود۔ گواہ شد۔ حسین بخش خاں سفید پوش سنور بقلم خود۔ العبد عبد الغنی تحویلدار دیوانخانہ۔ گواہ شد۔ شیخ نور محمد تحویلدار پنشنر ولی محلہ سکنہ سنور۔ گواہ شد۔ قاضی سید اعجاز حسین عرائض نویس

حصہ داران اسٹور توجہ کریں

منیجر صاحب اسٹور نے مندرجہ ذیل حصہ داران کے عدم پتہ ہونے کی وجہ سے دفتر امور عامہ کو لکھا ہے۔ کہ ان کا صحیح پتہ دریافت کر کے ان کے حصہ کی واجب الادا رقم ان تک پہنچا دی جاوے۔ لہٰذا مندرجہ ذیل حصہ داران جس جگہ ہوں اپنا صحیح پتہ معہ ثبوت حصہ دار اسٹور کے ہونے کے متعلق سیکرٹری صاحب احمدیہ یا امیر جماعت مقامی تصدیق کرا کر دفتر ہذا میں اطلاع دیں تا ان کو ان کے حصہ کی رقم بھجوا دی جاوے۔

فہرست حسب ذیل ہے

نمبر کھاتہ اسٹور و نام حصہ دار	رقم واجب الادا
۱۲۵ منشی امام الدین صاحب ڈاڈا سیا مرحوم	۹ر
۱۸۵ بابو عبد الصمد صاحب سٹیشن ماسٹر	۵ / ۱۲ر
۲۸۵ غلام جیلانی صاحب	۵
۳۲۱ میاں فضلداد صاحب ملازم قلعہ میگزین فیروزپور	۱۴ر
۳۲۵ سید محمد اشرف صاحب ہیڈ کلرک محکمہ تعلیم	۳
۳۵۲ محمد ابراہیم صاحب بھرہ	۵ / ۱۲ر
۳۸۳ عبد المجید ولد محمد امین صاحب بھاچہ	۸
۳۹۴ غلام غوث ولد صوبہ خاں صاحب مسڑ دعہ	[illegible]
۴۱۷ عبد الرحمٰن ولد غلام قادر بامکانہ	۵
۳۹۷ ظفر حسن صاحب سالانوی	۵ / ۱۷ر

محمد صادق عفا اللہ عنہ ناظر امور عامہ قادیان

اشتہار زیر آرڈر ۵ رول ۲۰ مجموعہ ضابطہ دیوانی

روبکار باجلاس جناب چوہدری محمد لطیف صاحب سب جج بہادر درجہ چہارم ترنتارن

مقدمہ دیوانی ۱۲۹ بابت ۱۹۲۷ء

پریم سنگھ ولد منگل سنگھ ذات جٹ سکنہ گنڈ نوید دھتی تحصیل ترنتارن مدعی۔

بنام

جنڈو بٹ ولد کھیون ذات میراسی سکنہ گنڈ نونڈ دھتی حال وارد متصل ڈل ترنتارن۔ نہال بٹ ولد کھیون ذات میراسی سکنہ گنڈ نونڈ دھتی تحصیل ترنتارن۔ مدعا علیہم

دعوےٰ ۲۵۰/-

مقدمہ مندرجہ عنوان بالا میں مدعا علیہم مذکور تعمیل سمن سے دیدہ دانستہ گریز کرتے ہیں اور روپوش ہیں۔ اس لئے اشتہار ہذا بنام مدعا علیہم مذکور زیر آرڈر ۵ رول ۲۰ مجموعہ ضابطہ دیوانی جاری کیا جاتا ہے۔ کہ اگر مدعا علیہم مذکور بتاریخ ۶ جون ۲۷ء بمقام ترنتارن حاضر عدالت ہذا ہو کر پیروی مقدمہ اصالتاً یا وکالتاً نہیں کرینگے۔ تو ان کی نسبت کارروائی یکطرفہ عمل میں لائی جاویگی۔ آج بتاریخ ۲۳ راپریل

(بقیہ صفحہ ۲ کالم ۳)

اس کے لئے خود خدا تعالےٰ نے مدرس بھیجدیا ہے۔ اور اس نے ایسی

واضح تعلیم

سامنے رکھدی ہے۔ کہ جس کیلئے کسی استاد کی ضرورت نہیں۔ اس بارہ میں یہی مثل ہے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے ؎

دگر استاد را نامے ندانم

اسکے لئے نہ کسی استاد کی ضرورت ہے اور نہ کوئی استاد یہ تعلیم دے سکتا ہے صرف وہی دے سکتا ہے۔ جو خدا تعالےٰ کی طرف سے آئے۔ پس اس تعلیم کیلئے کسی اور مدرس کی ضرورت نہیں۔ ہاں تربیت کیلئے اور باریک مسائل جاننے کیلئے استاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر آج ایسی ضرورت ہے۔ کہ باریک مسائل کو چھوڑ کر لوگوں کو یہ بتانا ہے۔ کہ خدا ہے۔ اور وہ اپنے بندوں سے کلام کرتا۔ ان کی دعائیں سنتا۔ ان کی مشکلات دُور کرتا ہے۔ اور اسلام اسی نے بھیجا ہے۔ اس کے لئے صرف اخلاص کی ضرورت ہے۔ اور جب کوئی شخص لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کہتا ہے۔ تو یہ تعلیم اسے اسی وقت آجاتی ہے۔ اور اسے ایسی طاقت حاصل ہو جاتی ہے کہ پھر اسے کوئی مغلوب نہیں کرسکتا۔ اور یہ تعلیم ہماری جماعت کے ہر شخص کو حاصل ہے۔ اسلئے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اور ضرورت ہے کہ اس ملک کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک ایسی آگ لگادی جائے۔ کہ کوئی سونے نہ پائے

عام لوگ صداقت سے کیوں محروم رہتے ہیں

اسلئے کہ وہ غفلت میں پڑے رہتے ہیں۔ قرآن بار بار منکروں کے متعلق کیوں کہتا ہے۔ کہ وہ غافل ہیں۔ اسی وجہ سے کہ اگر وہ غفلت میں نہ پڑے ہوتے تو قرآن کو مان لیتے۔ پس اس وقت اس بات کی ضرورت ہے۔ کہ ہم اس ملک میں آگ لگادیں۔ اور ایسی آگ لگادیں۔ کہ کوئی سونے نہ پائے اور کوئی غافل نہ رہے۔ اس کے لئے خدا تعالےٰ نے آپ سامان پیدا کردیئے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت جب کوئی شکایت کرتا۔ کہ ہمارے علاقہ میں احمدیت نہیں پھیلتی۔ تو آپ فرماتے۔ آگ لگادو۔ لوگ خود بخود احمدیت کی طرف توجہ کرینگے۔ اور جب کوئی کہتا۔ ہمارے گاؤں یا علاقہ میں احمدیت کے خلاف بڑا فساد پھیلا ہوا ہے۔ تو فرماتے۔ یہ خدا نے آگ لگائی ہے۔ اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ ہماری سستی اور کمزوری تھی۔ کہ اسوقت تک ہم ملک میں آگ نہ لگاسکے۔ اب خود

اسلام کے دشمنوں نے آگ لگائی ہے

اور اب وہ وقت اور وہ گھڑی آگئی ہے جس کی ساری عمر میں تلاش رہتی ہے۔ مشہور ہے۔ ہر انسان کو ساری عمر میں ایک دفعہ خواجہ خضر ملتے ہیں۔ اسوقت انسان جو چاہے۔ ان سے لے سکتا ہے۔ ہماری عمر میں وہ گھڑی آگئی ہے۔ جب خواجہ خضر ہمیں مل گئے ہیں۔ اسوقت ہم ذرا بھی توجہ اور کوشش کریں تو جو چاہیں حاصل کرسکتے ہیں۔ اس وقت سارا ملک ہمارا ہو سکتا ہے۔ تمام تجاویز خدا تعالےٰ نے لاکر ہمارے سامنے ڈال دی ہیں۔ اس وقت جو آگ ملک میں لگائی گئی ہے۔ اس کے بھڑکانے کے سامان ہمارے پاس ہیں۔ اور پھر اس

آگ کو بجھانے کا مسالحہ

بھی ہمارے ہی پاس ہے۔ جب تک ایک ایک مسلمان محفوظ نہ ہو جائے اس وقت تک اس آگ کو بھڑکائے رکھنا ہمارا فرض ہے۔ تاکہ کوئی سونے نہ پائے اور کوئی غفلت کا شکار نہ ہو جائے۔ اور سب لوگ جاگ اٹھیں اور غفلت کو ترک کردیں۔ تو پھر اس سے کہ کوئی اس آگ کی زد میں نہ آجائے۔ اسکو بجھانا ہمارا کام ہوگا۔ پھر ہمارا فرض ہے۔ کہ ان سامانوں کو ایسے رنگ میں استعمال کریں کہ ہمارا ملک آگ سے بچکر ہدایت حاصل کرلے۔ جو نہ صرف اسی دنیا میں ہر انسان کے کام آئے۔ بلکہ دوسری دنیا کیلئے بھی اسے راحت اور آرام پہنچاسکے۔ جو طلباء امتحان کیلئے جا رہے ہیں۔ یا جو ابھی پڑھ رہے ہیں۔ میں ان سے کہتا ہوں۔ آج کام کرنے کا خاص موقعہ ہے۔ ان کا فرض ہے۔ اس وقت ایسا توشہ و زادراہ لے لیں۔ جو اس جہان میں بھی کام آئے۔ اور اگلے جہان میں بھی ان کے لئے سرخروئی کا باعث ہو۔ اس وقت جو بھی فراغت انہیں میسر آئے۔ اس سے ایسے رنگ میں کام لیں۔ کہ

دین اسلام کی اشاعت

ہو۔ اور مسلمان دشمنوں کے حملوں سے بچ جائیں۔ یہ مت سمجھو کہ ہم طالب علم ہیں ہم کیا کرسکتے ہیں۔ طالب علموں کیلئے بھی چھٹیاں آتی ہیں۔ اگر ان سے کام لو۔ تو بہت کچھ کام کرسکتے ہو۔ اگر خدا تعالےٰ نے ہمیں آگ کے بجھانے کے سامان دیئے ہیں۔ تو آگ کو بھڑکانا بھی ہمارا کام ہے۔ مگر یاد رکھو۔ جب میں کہتا ہوں۔ آگ

بھڑکانے کا سامان

بھی ہمارے پاس ہے۔ اور ہمیں آگ بھڑکانی چاہیئے۔ تو اس کے یہ معنی نہیں کہ جنگ اور فساد کیا جائیگا۔ ہمارا سلسلہ تو دنیا میں امن قائم کرنے کیلئے آیا ہے۔ پس جب میں یہ کہتا ہوں۔ کہ آگ بھڑکانا بھی تمہارا فرض ہے اور اس کا سامان بھی تمہارے پاس موجود ہے۔ جس سے تمہیں کام لینا چاہیئے تو اس کا یہ مطلب ہے۔ کہ مسلمانوں کے دلوں میں ایسا درد اور ایسا احساس پیدا کردو۔ کہ اسوقت اگر انہوں نے اسلام کی حفاظت کا خیال نہ کیا۔ تو اسلام مٹ جائیگا۔ اس کے لئے ایسی جلن ایسا سوز ایسا درد پیدا کرنا کہ مسلمانوں کو اس وقت تک چین نہ آئے۔ جب تک اسلام کو اچھی طرح قائم ہوا ہوا نہ دیکھ لیں۔ یہ ہمارا کام ہے۔ ہماری غرض ساری دنیا میں اسلام قائم کرنا ہے۔ مگر خدا تعالےٰ نے اسوقت ایسے سامان مہیا کردیئے ہیں۔ کہ ساری دنیا میں اسلام پھیلانے کا مرکز ہندوستان مضبوط ہو جائے۔ اسلئے ہمیں اس ملک میں خاص طور پر کام کرنے اور دوسروں کو اسلام کی حفاظت اور اشاعت کیلئے تیار کرنے کی ضرورت ہے۔ اور یہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ آگ لگادی جائے۔ اس آگ سے مراد جنگ کرنا یا فساد کرنا یا فتنہ پیدا کرنا نہیں۔ بلکہ یہ ہے۔ کہ مسلمانوں میں اس بات کیلئے سوز اور گداز پیدا کردیں۔ کہ

اسلام کو غالب کرنا ہے

اس آگ کا سامان ہمارے پاس ہے۔ کیونکہ آگ بغیر آگ کے نہیں لگتی کسی چیز کو آگ اس پر مٹی ڈال دینے سے یا اس پر لکڑیوں کا ڈھیر لگا دینے سے یا لوہے کا طومار لگا دینے سے نہیں لگا کرتی۔

آگ آگ سے ہی لگتی ہے

اور وہ آگ ہمارے قلوب میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جلائی ہے۔ اور کسی کے قلب میں نہیں۔ پس ہمارے دلوں میں اور صرف ہمارے دلوں میں وہ سوز ہے جس سے دوسروں کے دلوں میں سوز پیدا کیا جاسکتا ہے۔ ہمارے ہی دلوں میں وہ درد ہے جس سے دوسروں کے دلوں میں درد پیدا کیا جاسکتا ہے اسی طرح ایک چراغ سے دوسرے چراغ جلائے جاسکتے ہیں اور وہ چراغ ہمارے دلوں میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جلایا ہے۔ پس وہ چراغ ہم ہی ہیں جو مسلمانوں کے گھروں میں چراغ روشن کرسکتے ہیں جس سے انہیں اندھیری رات میں روشنی حاصل ہو سکتی ہے اور وہ آگ ہم ہی ہیں جس سے وہ دن کو کام چلاسکتے ہیں پس ہمارے ہی ہاتھوں میں ترقی اور کامیابی ہے۔ کیونکہ اسلام کو غالب کرنے کا درد۔ اسلام کو فتحمند کرنے کی سوزش ہمارے ہی دلوں میں ہے۔ پس تم اس آگ کے ذریعہ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمارے دلوں میں جلائی ہے۔

سارے ملک میں آگ لگادو

اور اس طرح لگادو۔ کہ پھر وہ نہ بجھے۔ اور اسے بھڑکاؤ۔ یہاں تک کہ ہر ایک دیوانہ وار اٹھ کھڑا ہو۔ اور اسی طرح دیوانہ وار پکار اٹھے جس طرح منصور نے کہا تھا انا الحق۔ میں حق ہوں۔ اس سے اس کا یہ مطلب نہیں تھا۔ کہ میں خدا ہوں بلکہ یہ تھا کہ میرے اندر خدا بول رہا ہے پس تم ایسی آگ لگاؤ۔ کہ انسانوں کے جسم کے ہر سوراخ سے بلکہ بال بال اور رواں رواں سے اس کے شعلے نکل رہے ہوں۔ تاکہ اس سے وہ خس و خاشاک جل کر راکھ ہو جائے۔ جو اسلام کی گاڑی کے آگے آکر اس کی روک کا باعث بن رہی ہے۔ اور اسلام کی گاڑی اسی سرعت اور تیزی سے چلنے لگ جائے جس طرح پہلے چلتی رہی ہے۔ میں نے پہلے بھی نصیحت کی ہے۔ اور اب بھی کرتا ہوں۔ کہ اپنے اندر ایسی آگ پیدا کرو۔ جسکی چنگاریاں چاروں طرف پھیل جائیں۔ اور جس کے شعلے ہر طرف بلند ہو جائیں۔ تاکہ مسلمان بیدار ہوں۔ غفلت کو چھوڑ دیں۔ اور دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے لاکھوں نہیں کروڑوں اٹھ کھڑے ہوں۔

میں اس تقریر کو اس دعا پر ختم کرتا ہوں۔ کہ خدا تعالےٰ اس سوزش اور آگ کو جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیدا کی ہے۔ ہر فرد کو بھڑکانے کی توفیق دے۔ اور اسے لے کر اس طرح کھڑے ہو جائیں۔ کہ ہر فرد کے دل میں وہ

سوز اور درد

پیدا کردیں۔ جس سے اسلام دنیا میں غالب آجائے۔ اور کوئی طاقت اسے مغلوب کرنے کے لئے کھڑی ہونے والی نہ رہے۔

(منشی عبدالرحمٰن کشمیری قادیانی پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھاپ کر مالکان کے لئے قادیان سے شائع کیا)